ایک تحقیقی مطالعہ

جلتی مسجدیں

تحریر: علی اکبر شاہ

ساجدہ اکیڈمی

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان
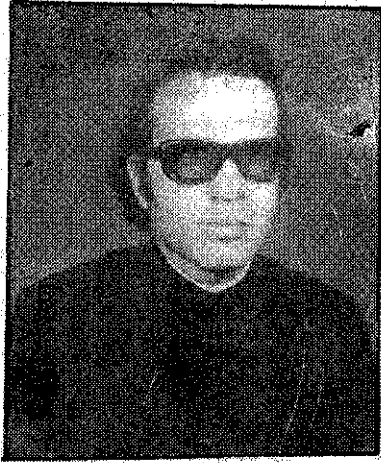
علی اکبر شاہ

ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈہکار، دوستو!

جھنکار، ذوالفقار کی جھنکار، دوستو!

(جوش ملیح آبادی)

حرفِ آغاز

کہہ دوں، تو دل سے خون کا چشمہ اُبل پڑے
اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

جوشؔ ملیح آبادی

شیعہ فرقہ ہمیشہ سے موجود ہے اور رہیگا۔ ہمیشہ سے اس لئے کہ خود حیات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسکا وجود ثابت ہے۔ مگر صرف اُن پر کہ جو معاشرہ کا مطالعہ معروضی انداز سے کرتے ہیں۔

اس فرقہ کی جو شکل آج ہے وہ اسوقت نہ تھی۔ اسوقت کسی فقہ کا سوال نہ تھا۔ مگر سوچیں اس وقت بھی مختلف تھیں۔ اطاعتِ رسولؐ، پیروی رسولؐ اور محبت محمدؐ و آلِ محمدؐ کا پیمانہ مختلف تھا۔ یہ اختلاف گروہی صورت میں بھی صاف نظر آتا ہے۔ ایک گروہ تھا کہ آنکھ بند کر کے اطاعتِ رسول کرتا تھا۔ عشق محمدؐ و آلِ محمدؐ کا دم بھرتا تھا۔ جس کے سرگروہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار یاسر، میثم تمار، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوایوب انصاری، ابی بن کعب، حجر بن عدی، زبیرؓ بن العوام وغیرہ تھے۔ یہ سب

لہ۔ زبیر بن العوام تیسری خلافت کے خاتمہ پر علی کے گروہ سے نکل گئے تھے۔ وجہ انکے اپنے بیٹے عبداللہ تھے۔ مگر جمل میں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور میدان سے چلے گئے تھے۔

شیعہ تھے، ان سب کی ایک سوچ تھی۔ حیات رسول میں بھی اور بعد وفات رسول بھی

ہم دوسرے گروہوں کا ذکر یہاں قصداً نہیں کریں گے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ کسی کے جذبات مجروح ہوں اور اسوقت فرقہ وارانہ جذبات اور ابھریں

شیعہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کی گواہی تاریخ دے رہی ہے۔ بنی امیہ اور بنو عباس کی ظالم حکومتیں آئیں۔ شیعوں پر ظلم توڑے، ان کی نسل کشی کی مہم چلائی مگر اپنے دن پورے کر کے ختم ہو گئیں۔ شیعوں کا حوصلہ بڑھا گئیں انہیں ظلم کے سائے میں جینے کا فن سکھا گئیں۔ وہ آج بھی جی رہے ہیں اور وقار سے جی رہے ہیں۔ چاہے کہیں اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں۔

ہم اس کتاب میں یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ آپ شیعہ کو پاکستان سے ختم نہیں کر سکتے اور نہ ہی عزت سے جینے کا حق چھین سکتے ہیں کیونکہ یہ کام آپ کے بزرگ ملوکیت کے دور میں نہ کر سکے۔ یہ تو جمہوری دور ہے۔ شیعہ اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ آپ کسی اقلیت کا احترام کرنا نہیں چاہتے۔ چاہے وہ مسلمانوں ہی کا کوئی اقلیتی فرقہ کیوں نہ ہو۔ آپ کے ذرائع ابلاغ، چاہے وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری۔ نہیں سوچتے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟ کسی کی دل آزاری ہو تو ان کی بلا سے۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے، مولانا شاہ احمد نورانی (کالعدم جمعیت علمائے پاکستان) نے اپنے ایک اخباری بیان میں احمدی فرقہ کے روحانی پیشوا مرزا ناصر احمد کی بلا جواز تذلیل کی۔ جسے اخبار جنگ نے

نمایاں کر کے شائع کیا ــــــ آپ نے احمدی فرقہ کو غیر مسلم قرار دے دیا ہے
اب کیا بات رہ جاتی ہے ۔ کیا انہیں ایک غیر مسلم اقلیت کی حیثیت
سے عزّت کے ساتھ جینے کا حق نہیں ؟ دوسری حالیہ مثال پرنس کریم
آغا خان کی ہے ۔ آپ پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو کراچی شہر
کی دیواروں پر آپ کے خلاف توہین آمیز پوسٹر لگائے گئے ــــــ مزے
کی بات یہ ہے کہ کسی نے اس حرکت کی مذمت تک نہ کی ــــــ
شیعہ اثنا عشری تو آپ کے لئے عذاب بنے ہوئے ہیں مگر اسمٰعیلی حضرات
نے آپ کا کیا بگاڑا ہے ۔ خاموشی سے اپنے جماعت خانوں میں جاتے،
ہیں ۔ ملک کے لئے سماجی خدمات انجام دیتے ہیں ۔ اس کے باوجود
آپ نے ان کے امام کی برسرِ عام توہین کی ۔

یہ دو مثالیں بڑی واضح ہیں اور تھوڑے عرصہ پہلے کی ہیں
لہٰذا پیش کر دیں ۔ چھوٹی چھوٹی باتیں تو آئے دن ہوتی رہتی ہیں ۔
ملک میں ہر جگہ ہوتی رہتی ہیں ۔ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات سب ہی
اپنا حق ادا کرتے ہیں ۔

اور شیعہ ان تمام باتوں سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اینٹ
کا جواب پتھر سے دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ۔ جو کہ نہ خود
ان کے لئے نہ ملک کے لئے اور نہ کسی اور کے لئے فائدے مند ہے
مگر جب مسئلہ اپنی عزت کا ہو تو نفع نقصان کون سوچتا ہے ۔

آپ بھاری اکثریت میں ہیں، اپنا مزاج بدلیئے ۔ اپنی خاطر اور اپنے

ملک کی خاطر۔ ہم نے آپ کی آسانی کے لئے اس کتاب میں بغیر کسی رو رعایت کے حقائق درج کئے ہیں۔ ہم نے کتاب کی ابتداء سے پہلے یہ سوچ لیا تھا کہ ہر قیمت پر اپنے علم اور مشاہدے کے مطابق جو کچھ لکھیں گے سچ لکھیں گے۔ چاہے اپنے اور پرائے دونوں ناراض ہوں۔ مجبوری ہے۔

گفتار صادق، مایہ آزار می شود
چوں حرف حق بلند شود دار می شود

ہم نے شیعہ نظریہ اور عمل سے ہونے والی وہ تمام سنی پریشانیاں لکھ دی ہیں کہ جنکے تذکرے زبان زد عام ہیں۔ پھر ان کا حقیقت پسندانہ جائزہ بھی پیش کر دیا ہے۔ نہ کسی مصلحت سے کام لیا ہے نہ تقیہ کیا ہے۔ پھر ان باتوں کا ذکر کیا ہے کہ جو سنیوں کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیعوں کی دل آزاری اور اشتعال کا باعث بنتی ہیں اور وہ شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ باتیں بیان کرتے وقت ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ہم پر جذبات غالب نہ ہو جائیں۔

پھر فسادات اور تنازعات کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ کچھ اپنی آنکھوں دیکھے ہیں اور کچھ سنے ہوئے ہیں اور کچھ دستاویزات پر مبنی۔ سنے ہوئے واقعات کی حتی الامکان تصدیق کر لی ہے۔ جن باتوں کی تصدیق نہیں ہو سکی ان کا وثوق سے ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ پھر بھی تھوڑی بہت غلطی کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد شیعہ علماء کی خدمات کا جائزہ ہے۔ انتہائی بڑے وقت کی خدمات جن میں کوتاہیوں کا بھی ذکر ہے اور قربانیوں کا بھی۔ کوتاہیوں کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔ یہاں بھی یہی کوشش کی گئی ہے کہ غیر جانبداری برقرار رہے۔

اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب (سواد اعظم اہلسنت پاکستان) سے میری گفتگو ہے۔ اس میں بھی انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ حسب وعدہ ایک لفظ بھی مولانا موصوف سے غلط منسوب نہیں کیا گیا ہے۔

آخر میں شیعہ سنی اور حکومت وقت سے چند پرخلوص گذارشات کی گئیں ہیں تاکہ اشتعال انگیزی میں کمی ہو۔

اب میں ان حضرات کا شکریہ ادا کروں گا کہ جنہوں نے اس کتاب کے کام میں میری مدد فرمائی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام ممتاز ادیب اور خطیب جناب ضمیر اختر نقوی کا ہے کہ جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی تحریک دلائی اور لاتعلق ہو گئے۔ پھر ڈاکٹر واجد حسن صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں چند اہم دستاویزات فراہم کیں اور اس کتاب میں بڑی دلچسپی لی۔ اب ان علماء اور خطباء کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ جنہوں نے گفتگو کا موقعہ فراہم کیا اور مجھے حالات و واقعات سمجھنے میں مدد ملی۔ ان کی یہ ذرہ نوازی میرے لئے باعث صد افتخار رہے۔ میں ان حضرات کے

اسمائے گرامی اپنی ملاقات کی ترتیب کے اعتبار سے لکھ رہا ہوں تاکہ حفظ مراتب میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ اسمائے گرامی یہ ہیں:

پروفیسر سید علی رضا شاہ صاحب نقوی۔ مولانا محمد موسیٰ صاحب (سابق صدر ہیئت ائمہ مساجد امامیہ) مولانا سید محمد محسن صاحب نقوی مجتہد۔ مولانا اسعد تھانوی صاحب (جوائنٹ سیکریٹری، سواد اعظم اہلسنت پاکستان) علامہ سید عباس حیدر صاحب عابدی۔ علامہ سید عرفان حیدر صاحب عابدی۔ مولانا سید رضی جعفر صاحب (ہیئت ائمہ مساجد امامیہ) شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب (صدر سواد اعظم اہلسنت پاکستان) مولانا سید نذر الحسنین صاحب عابدی (رکن علماء ایکشن کمیٹی ہیئت ائمہ مساجد امامیہ) مولانا طالب جوہری صاحب (رکن اسلامی نظریاتی کونسل) علامہ عقیل ترابی صاحب (ٹیلیفون پر خیابت گفتگو)۔

اب میں اپنے دوست جناب ایس۔ ایم۔ تقی (سابق طالب العلم رہنما) کا شکر گذار ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں اچھے مفید مشورے دئے۔ اور اپنے دوست جناب سید حشمت حسین (ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ عزیز آباد) کا بھی شکر گذار ہوں کہ آپ ہنگاموں کے دوران معاملات اور واقعات کے مشاہدہ میں میرے ساتھ رہے۔

آخر میں جناب حسین عباس شاہ، چیرمین جعفریہ انقلابی کونسل کا شکریہ کہ انہوں نے بڑے خلوص سے سرورق تیار کیا۔

علی اکبر شاہ

ستمبر ۱۹۸۳ء

پہلا باب

سُنّی پریشانی

ایسی بھائی ہے کہ بھائی کو پہچانتا نہیں۔ ہم بھائی بھائی ہیں یہ کوئی جانتا نہیں
اک دوسرے کو دوست بھی گردانتا نہیں سب ایک کو کہتے ہیں کوئی مانتا نہیں

ارباب آشتی ہم تن جنگ ہو گئے
ہم جسقدر وسیع ہوئے تنگ ہو گئے

جوش ملیح آبادی

سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائیگی کہ سنی کو شیعہ سے کیا آزار پہنچ رہا ہے۔ اسے کیا پریشانی لاحق ہے۔ اگر وجہ آزار اور سبب پریشانی معلوم ہو جائے تو تدارک کے لئے کچھ سوچنے کی راہیں نکل آئیں گے۔ مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ صحیح باتیں سامنے لائی جائیں تاکہ معروضی انداز سے سوچا جا سکے، ورنہ حماقت کی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا ——— ذرا سوچیے تو! یہ باتیں کہ شیعہ کا قرآن الگ، کلمہ الگ، اذان الگ، نماز روزہ الگ لہذا اسے غیر مسلم قرار دے دیا جائے۔ کیا اصل مسئلہ کا حل ہے۔ کیا شیعہ کو اقلیت قرار دینے سے سنی پریشانی دور ہو جائے گی۔ یقیناً نہیں کیونکہ اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد بھی شیعہ وہی کلمہ پڑھے گا۔ اسی قرآن کی تلاوت کرے گا۔ اسی طرح اذان دے گا، نماز بھی ہاتھ کھول

کو پڑھے گا۔ روزہ کھولنے میں بھی عجلت نہیں کرے گا۔ کیونکہ کوئی ملک بھی کہ جس نے اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کئے ہیں۔ اقلیتوں کے مذہبی عقائد میں مداخلت کا مجاز نہیں ہے بلکہ انکے تحفظ کا ذمہ دار بھی ہے۔

غیر مسلم قرار دئے جانے کی یہ تجویز ۱۸ مارچ ۱۹۸۳ء کے سانحہ کی تحقیقات پر مقرر کئے جانے والے ٹریبونل میں بھی پیش کی گئی اور اسے نام نہاد سواد اعظم کے علاوہ سنی بریلوی علماء نے بھی پیش کیا یہ تجویز اتنی احمقانہ ہے کہ اس پر سنجیدگی سے اظہار خیال ایک احمقانہ فعل ہوگا۔ بس اتنا یاد دلانا کافی ہے کہ مسلمانوں کے تمام بڑے اور چھوٹے فرقوں کے علماء ایک دوسرے کے لئے باقاعدہ کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ بریلوی مکتب فکر کے عالم وسایا الخطیب نے شیعوں کے ساتھ ساتھ دیوبندیوں اور اہل حدیث کو بھی غیر مسلم قرار دئے جانے کی تجویز مذکورہ ٹریبونل میں پیش کی ہے اور اسی طرح سے نام نہاد سواد اعظم والے بھی بریلوی فرقہ کو غیر مسلم قرار دلوانے کا خفیہ منصوبہ رکھتے ہیں یہ صورت حال ہے کہ غیر مسلم قہقہے پر قہقہے لگائیں گے۔ سوچیں گے کہ چلو اچھا ہے اس طرح سب ہی بھائی بھائی ہو جائیں گے اور پھر ہم سب ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ ہاں تو بات چل رہی تھی سنیوں کے آزار اور اسباب پریشانی کی۔ تو اب وہ پریشانیاں اور آزار پیش کئے دیتے ہیں کہ جو شیعوں کی طرف سنیوں کو لاحق ہیں۔ ان باتوں کا علم ہمیں سنیوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے ان بیانات سے ہوا

کہ جو مذکورہ ٹریبونل میں پیش کئے گئے۔ یا سوادِ اعظم کے جلسوں اور نجی محفلوں میں سنے گئے۔ سنی حضرات نے ساتھ ہی ساتھ ان پریشانیوں سے چھٹکارے کی تجاویز بھی پیش کیں۔ ہم وہ بھی درج کرتے جاتے ہیں۔

شیعوں کی وہ پریشان کن باتیں کہ جنکا تعلق عقیدہ سے ہے۔

① شیعہ کا کلمہ الگ ہے۔ ② اس کی اذان الگ ہے۔

③ اس کا قرآن الگ ہے۔ ④ اس کا وضو کرنے کا انداز، نماز کا انداز اور روزہ کے اوقات مختلف ہیں۔

⑤ زکوٰۃ میں یہ عام مسلمانوں کے ساتھ شامل نہیں۔

⑥ جہاد کے سلسلہ میں یہ امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں بغیبت امام میں یہ جہاد کو فرض نہیں سمجھتے ——— چنانچہ تجویز یہ ہے کہ انہیں غیر مسلم قرار دیا جائے۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جو بلاوجہ اہلسنت کو پریشان کر رہی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک اپنے اپنے عقیدہ و عمل کا ذمہ دار ہے۔ ویسے ان باتوں کی حقیقت کیا ہے یہ ہم آگے جا کر عرض کریں گے۔ اب شیعوں کی وہ دل آزار باتیں ملاحظہ ہوں کہ جنکا تعلق عمل سے ہے۔

۱۔ یہ بڑی بڑی مجلسیں کرتے ہیں کہ جنکی وجہ سے راستہ تک رک جاتا ہے اور ٹریفک میں خلل پڑتا ہے، لہٰذا شر کا د مجلس کو امام باڑوں کے حدود میں رکھا جائے۔

۲۔ یہ اپنی مجلسوں میں تبرّا بازی کرتے ہیں۔ ان کے ذاکر صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے ہیں۔ (بعض حضرات گالیاں تک دینے کا الزام

لگاتے ہیں) لہٰذا ایسا کرنے والوں کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے اور ان کے امام باڑوں کو ان علاقوں سے ہٹا یا جائے جہاں سنیوں کی اکثریت ہے۔

۳۔ ان کے بڑے بڑے ماتمی جلوس نکلتے ہیں جس سے ٹریفک میں خلل پڑتا ہے۔ اور خلق خدا پریشان ہوتی ہے۔ یہ اپنے جلوس میں تبرّیٰ بازی کرتے ہیں اور اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہیں۔ لہٰذا ان کے جلوسوں پر پابندی لگائی جائے۔

۴۔ یہ دو مہینے تک شب بیداریاں کرتے ہیں اور رات بھر لاؤڈ اسپیکر پر نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتے ہیں جس سے اہل محلّہ کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ بعض حضرات اپنے گھروں میں لاؤڈ اسپیکر پر نوحے اور مرثیوں کے کیسٹ لگا دیتے ہیں اور یہ سلسلہ بعض اوقات پوری پوری رات جاری رہتا ہے۔ لہٰذا حکومت لاؤڈ اسپیکر کا یہ بیجا استعمال بند کرائے۔

۵۔ ریڈیو اور ٹی۔وی سے محرم کے پروگرام نشر نہ کئے جائیں کیوں کہ اس سے سنی عوام کے ذہن مسموم ہوتے ہیں (جہاں تک ہماری معلومات ہیں یہ مطالبہ صرف ناصبی، دیوبندی اور اہل حدیث کا ہے

۶۔ یونیورسٹی اور کالج میں یوم حسین نہ منانے دیا جائے۔ (یہ مطالبہ بھی اسی گروہ کا ہے)

دوسرا باب

پریشانی کا جائزہ

اے دوست سعیِ امن سے ہو شاد بامراد
انسان کے دماغ کا سرطان ہے فساد

جوش ملیح آبادی

امن کی قدر و قیمت کون نہیں جانتا۔ مگر امن جب نصیب ہوتا ہے کہ جذبات کے دھارے میں نہ بہا جائے، مسائل کا حل حقیقت پسندی سے تلاش کیا جائے۔ انداز فکر معروضی ہو، ہم کوشش کرتے ہیں کہ پچھلے باب میں بیان کردہ شکایات کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیں اور اس بات پر غور کریں کہ کس حد تک ان شکایات کا ازالہ ہو سکتا ہے، سب سے پہلے ہم مذکورہ شیعی عقائد کا جائزہ لیں گے اور ان کے صحیح یا غلط ہونے پر بحث نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس پر کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور ہمارے پیش نظر مناظرہ کرنا بھی نہیں ہے۔ ہم تو صرف اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ ان عقائد سے سنیوں کو کیا پریشانی ہے۔ یہ عقائد جھگڑے و فساد کا سبب کیوں بنیں؟ آئیے اب ہم جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ کلمہ: کلمہ شیعہ اس طرح سے پڑھتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔
عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل

یعنی شیعہ بھی عام مسلمانوں کی طرح سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے ۔ پھر محمدؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے ۔ سنی حضرات کو شکایت اضافہ کی ہے ۔ اگر یہ اضافہ اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت پر اثر انداز ہوتا تو کچھ بات برا ماننے کی ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ سنی کو برا ماننے کے بجائے خوشی ہونا چاہیئے کہ شیعہ نے ۔ محمدؐ رسول اللہ کے فوراً بعد ولایت علی اور خلافت بلا فصل کا اعلان کرکے ختم نبوت پر مہر لگا دی اور دنیا کو بتا دیا کہ اب نبوت کے بجائے سلسلہ ولایت و امامت چلے گا ۔ چلئے اگر آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں تو اتنا بھی برا نہ مانیئے کہ شیعہ کو دائرہ اسلام سے خارج کردیجئے ۔ یہ تو شیعہ کے بنیادی عقیدہ کے تحت ہے ۔ شیعہ اصول دین کا جو تسلسل ہے وہی تسلسل کلمہ میں بھی ہے ۔ یعنی اصول دین میں نبوت کے بعد امامت کا ذکر ہے تو کلمہ میں بھی نبوت کے بعد خلافت (بلا فصل) علی کا اقرار ہے ۔

۲ ۔ اذان : شیعہ کی اذان اور عام مسلمانوں کی اذان میں تین باتوں کا فرق ہے ۔

(۱) عام مسلمان صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم

کہتا ہے مگر شیعہ نہیں کہتا۔

(۲)۔ شیعہ ہر اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کہتا ہے مگر عام مسلمان نہیں کہتا۔

(۳)۔ کلمہ کی طرح شیعہ اذان میں بھی دو مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِمَامَ الْمُتَّقِیْنَ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل کہتا ہے۔ مگر یہ حصہ جزء اذان نہیں ہے اس سلسلہ میں مختلف مجتہدین کی آرا ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اعلان ولایت شہادت امیر المومنین جزو اذان نہیں ہے۔ لیکن بقصد قربت بعد از ذکر رسول خدا خوب ہے اور بہتر ہے۔

(آقائے شہاب الدین)

۲۔ بعد از شہادت رسالت حضرت امیر المومنین کی ولایت کی شہادت جزو اذان و اقامت نہیں اور اس کا کہنا بقصد محبوبیت منع نہیں۔

(آقائے ابوالقاسم الخوئی)

۳۔ شہادت ولایت حضرت امیر المومنین علیہ السلام جزو اذان نہیں ہے لیکن بقصد قربت کہنا خوب ہے بلکہ مستحب ہے۔

(آقائے سید محمد)

۴۔ شہادت ولایت و خلافت حضرت امیر علیہ السلام جزو اذان و اقامت نہیں بلکہ جزو ایمان ہے اور اذان میں بدون قصد جزئیت اس کلمہ کا کہنا شرعاً جائز بلکہ بعض وجوہ سے ضروری

ہے۔ (مفتی احمد علی)

(تحفۃ العوام کامل جدید ۔ اذان واقامت)

پہلا فرق اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کا ہے اور یہ اضافہ بعد وفاتِ رسولؐ حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں کیا ـــــــ سُنّی مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا اذان میں حضرت عمر کا کیا ہوا اضافہ وہ بھی محض اس وجہ سے کہ یہ فقرہ آپ کو اچھا لگا (روایت کے مطابق) شیعہ کے لئے کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ خود سُنّی مسلک میں یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی سُنّت کے علاوہ ہر نئی بات کو رائج کرنا بدعت ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ سُنّی حضرات اس بدعت کا نام بدعت حسنہ رکھ لیں۔ بہر حال اگر کوئی اس بدعت پر نہ چلے تو آپ کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

دوسرا فرق حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کا ہے کہ اسے شیعہ کہتے ہیں۔ سُنّی نہیں کہتے۔ یہ بحث کہ "حی علی خیر العمل" خود رسولؐ کے زمانے میں کہا جاتا تھا یا نہیں، طولانی ہو جائے گی اور اس سے کوئی خاص مقصد بھی حاصل نہ ہوگا۔ ہم صرف اشارہ کئے چلتے ہیں کہ یہ فقرہ حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل غدیر خم کے میدان میں لوگوں کو جمع کرتے وقت بھی کہا گیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے حضرت عمر اس فقرہ سے الرجک ہو گئے ہوں اور انہوں نے اذان سے نکلوا دیا ہو ـــــــ بہر حال یہ فقرہ وجہ نزاع نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ شیعوں کا اضافہ ہے

کسی وجہ سے بھی۔ تو آپ کے ہاں بھی اضافہ ہے "اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم" کا کسی وجہ سے بھی۔ چلئے بات برابر ہو گئی۔

اب رہا آخری اور تیسرا فرق یعنی شہادت ولایت و خلافت امیر المومنین علیؑ۔ تو بیشک اس میں کچھ بُرا ماننے کی بات ضرور ہے۔ کیونکہ دن میں کئی بار بہ آواز بلند علیؑ کی بلا فصل خلافت کا اعلان کیا جاتا ہے بہ الفاظ دیگر یہ اعلانِ خلافت ابوبکر سے انکار کی غمازی کرتا ہے۔ لہٰذا یہ بات بُری لگتی ہے۔ بات بُری لگتی ہے تو صبر کیجئے۔ اور ہنسی خوشی صبر کیجئے۔ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں۔ شیعہ بھی تو ۱۴۰۰ سال سے ظاہری خلافت چھن جانے پر مسلسل صبر کر رہے ہیں۔

دراصل اذان میں یہ کلمات ایک شیعہ کی ضرورت ہیں علی سے مسلسل وفاداری کا اظہار ہیں۔ اور پھر مرزا غالب کی زبان میں۔

"وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے"

یہ کلمات جزاذان نہیں ہیں، جزو ایمان ہیں ـــــــ کیا آپ شیعہ کو اتنا بھی حق نہیں دیتے کہ وہ اس بات کی شہادت دیتا رہے کہ اگرچہ علیِ مرتضیٰ رسول اللہ کے بلا فصل خلیفہ کی حیثیت سے ظاہری حکومت سے محروم کر دیئے گئے مگر اسوقت بھی وہ مومنین کے امیر اور متقین کے امام اور خلیفہ بلا فصل تھے کہ جب دوسرے حضرات خلیفہ اور امیر المومنین کے نام سے حکومت کر رہے تھے۔ کیونکہ شیعہ عقیدہ کے بموجب علیؑ کی یہ حیثیت منصوص من اللہ ہے۔ علی کو رسول کے دنیاوی ورثہ سے

تو محروم کیا جا سکتا تھا مگر وراثتِ علمِ نبوت و رہنمائی دین کو نہیں چھپایا جا سکتا تھا۔

اذان میں یہ کلمات عقیدہ کا اظہار بھی ہیں اور صدیوں کے حنجاج بھی اور ضرورت بھی۔ تخت کی بادشاہی تو تاریخ کے صفحات میں باقی رہتی ہے مگر ولی اللہ کی بادشاہت دلوں پر ہوتی ہے۔ لوگ تاریخ پڑھتے رہتے ہیں، تخت و تاج کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نماز جیسے عمل خیر کے وقت دنیا کے سامنے اس بادشاہی کی شہادت دی جائے تاکہ دنیا اسے بھی جان لے

ہم اپنے سُنّی بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر انہیں یہ بات ناگوار لگتی ہے کہ ان کلمات میں حضرت ابوبکر اور دیگر خلفاء کی خلافت کا انکار ہے تو نظر انداز کر دینے کی کافی گنجائش بھی ہے کیونکہ سُنی مسلک میں کسی کی خلافت جزوِ ایمان نہیں ہے۔ جبکہ شیعہ کے ہاں علیؑ کی خلافت جزوِ ایمان ہے۔ لہٰذا اگر ایک کے ایمان کا اظہار دوسرے کے ایمان سے نہ ٹکرائے اور بات صرف عقیدت کی ہو تو درگذر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قرآن : اس بات کا پروپیگنڈہ بھی بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اُن کا قرآن جدا ہے۔ جسے امام مہدی (علیہ السلام) بغل میں دبا کر غائب ہو گئے ہیں

اس سلسلہ میں اصل صورت حال یہ ہے کہ بعد وفات

رسول جہاں علیؑ اکو ان کے دوسرے حقوق سے محروم کیا گیا۔
وہاں اس وارثِ علم نبوت کو سرکاری طور پر اس خدمت سے بھی
محروم کر دیا گیا کہ جبکہ یہ سب سے زیادہ مستحق تھا، یعنی "جمع
قرآن" سے۔ چنانچہ یہ کام چند آدمیوں کی مقرر کردہ کمیٹی نے کیا
پہلی کمیٹی حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں قائم ہوئی۔ اور۔
دوسری کمیٹی حضرت عثمان کے دور خلافت میں قائم کی گئی۔
حضرت عثمان نے اپنی کمیٹی کے پیش کردہ قرآن کے علاوہ تمام
قرآنی نسخے تلف کر دیئے تاکہ امت کا ایک قرآن پر اتفاق ہو
جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اپنا نسخہ
حضرت عثمان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ بعض روایتوں
کے مطابق انہیں زدوکوب کیا گیا۔ بہر حال جب حضرت عثمان۔
اپنی کمیٹی کے پیش کردہ قرآنی نسخہ کو پیش کرنے میں کامیاب
ہو گئے تو تمام امت نے اختلاف اور گمراہی سے بچنے کے لئے
اسے قبول کر لیا اور اپنے لئے کافی سمجھا۔ چنانچہ اس وقت
سے لیکر آج تک مسلمانوں کے تمام فرقے (بشمول شیعہ) اسی
قرآن کی تلاوت کرتے اور اس پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ اس
سلسلہ میں حضرت علی کا کردار اور ان کے شیعوں کا عمل بالکل
واضح ہے اور قابل ستائش ہے۔ اب اس کی تفصیل بھی
مختصر اً سن لیجئے۔

حضرت علی کو اپنے متعلق اچھی طرح سے معلوم تھا کہ وہ وارث علم نبوت ہیں۔ دنیاوی میراث لٹتے دیکھی تو آپ نے صبر کیا۔ مگر نبوت کی علمی میراث کو کون چھین سکتا تھا جب بعد وفات رسول ظاہری میراث چھن گئی تو آپ نے گوشہ نشین ہو کر اپنا دوسرا فرض پورا کیا یعنی قرآن جمع کیا اور اپنے اس نسخہ کو حکومت وقت کے آگے پیش کیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے حکومت وقت نے اُسے قبول نہیں کیا تو حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم اسے کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ اسکے بعد سے حضرت علی اور ان کے تمام جانشینوں نے اور ان کے شیعوں نے حکومت کے پیش کردہ قرآن ہی پر ایمان کامل رکھا اور اسی کو پڑھا اور اسی پر عمل کیا! اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ نسخۂ قرآن علی کے بعد ان کے جانشین امام مہدی علیہ السّلام کے پاس پہنچا ہوگا اور جب وہ پردہ غیب میں گئے ہونگے تو نسخہ بھی ساتھ ہو گا۔

اب آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ کا یہ پروپیگنڈہ کہاں تک صحیح ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو نہیں مانتے۔ شرپسند بعض روایات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کرتے ہیں ہم اس کی ایک مثال نقل کئے دیتے ہیں تاکہ عام سنی مسلمان ان شرپسندوں کی نیت سے واقف ہو جائیں۔ مولانا خان محمد ربانی (رکن مجلس عاملہ سواد اعظم اہلسنت پاکستان) نے

ایک چھوٹے سے کتابچہ میں جسے پاکستان سُنّی تنظیم نے "روایات اصول کافی" کے نام سے چھاپ کر مفت تقسیم کیا ہے ایک روایت اصول کافی کی صفحہ ۵ پر اس طرح نقل فرمائی ہے

"ہشام بن سالم نے حضرت ابو عبداللہ سے روایت کی ہے کہ جو قرآن جبرئیل لیکر آئے تھے۔ اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں"۔

یہ روایت پیش کرکے مولانا ربانی فرماتے ہیں کہ دیکھئے ساڑھے چھ ہزار آیات کے بجائے سترہ ہزار آیات قرآن میں داخل کی جا رہی ہیں جبکہ اصل صورت حال یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"بل نقول انه نزل من الوحی الذی لیس من

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وحی کے ذریعہ سے قرآن کے علاوہ اتنے

القرآن ما لو جمع الی القرآن لکان مبلغ مقدار

احکام اور نازل ہوئے ہیں کہ اگر وہ قرآن کے ساتھ جمع کئے جائیں تو

سبع عشرة الف آیة

مجموعہ کی مقدار سترہ ہزار آیتوں تک پہنچ جائیگی۔

(یہ عبارت ہم نے "اعتقادیہ" کے اردو ترجمہ صفحہ نمبر ۱۵، ۲، ۵، ۱ سے نقل کی ہے۔ یہ کتاب محمد بن بابویہ قمی کی ہے جنکا لقب شیخ صدوق تھا۔ جو شیعوں کی مشہور کتب اربعہ یعنی الکافی، من لایحضرہ الفقیہ، التہذیب اور الاستبصار میں سے ایک کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" کے مؤلف ہیں)

ملاحظہ فرمائیے کہ دونوں روایتوں کا فرق بالکل واضح ہے۔ ایک اور مثال لیجئے۔ ربانی صاحب اسی کتابچہ میں اصول کافی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"راوی کہتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوعبداللہ کے سامنے قرآن پڑھا۔ میں کان لگا کر سن رہا تھا اور اسکی قرأت عام لوگوں کی قرأت کے خلاف تھی۔ حضرت نے فرمایا۔ اس طرح نہ پڑھو۔ جیسا سب لوگ پڑھتے ہیں تم بھی پڑھو۔ جبتک ظہور قائم آل محمد نہ ہو۔ جب ظہور ہوگا تو وہ قرآن کو صحیح صورت میں پڑھیں گے اور اس کو نکالیں گے جو حضرت علی نے اپنے لئے لکھا تھا" انصاف کیجئے کہ امام تو اپنے شیعہ کو تاکید کر رہے ہیں کہ جیسا سب پڑھتے ہیں ویسا ہی پڑھو تاکہ اختلاف امت نہ ہو اور آپ اختلاف پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں

اس سلسلہ میں ہم نے جو کچھ عرض کیا اس سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) ۔ بعد وفات رسول حکومت کی قائم کردہ کمیٹیوں نے قرآن جمع کیا۔

(۲) ۔ حضرت علی نے بحیثیت وارث علم نبوت، وصی رسول برحق اپنے طور پر قرآن جمع کیا۔

(۳) ۔ جسے حکومتِ وقت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب تم اسے کبھی دیکھ نہ سکو گے۔

(۴) ۔ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد قرآن کا یہ نسخہ اس سلسلہ امامت میں رہا کہ جسے شیعہ معصوم سمجھتے ہیں۔

(۵) ۔ جب اس سلسلہ کے بارہویں امام بحکم خدا پردہ غیبت میں گئے تو یہ قرآن بھی ان کے ساتھ تھا۔

اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو:

(۱) ۔۔۔ حضرت علی علیہ السلام نے تو اسلام کی بقا کی خاطر اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کو پوشیدہ رکھا۔ اور مصحف عثمانی (موجودہ قرآن) پر خود بھی عمل کیا اور اپنے شیعوں کو بھی اسی قرآن پر ایمان وعمل کی تعلیم دی اور اسی قرآن کو ہدایت کے لئے کافی سمجھا

(۲) ۔۔۔ شیعہ شروع ہی سے اسی قرآن کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ خلوت وجلوت میں اسی کو پڑھتے ہیں۔ یہی ہر شیعہ کے گھر میں ملے گا، مسجد اور امام بارگاہ میں ملے گا۔

(۳) ۔۔۔ شیعہ تو اسی قرآن کو (اپنے ائمہ کے حکم کے مطابق) نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور شرپسند ڈھونڈ ڈھونڈ کے اپنے مطلب کی روایتیں لاتے ہیں اور روایتوں کو اپنے مطلب کا بنا کر پیش کرنے میں بھی کچھ عار محسوس نہیں کرتے۔ جبکہ یہ حالت ہو اور مقصد صرف منافرت پھیلانا ہو تو پھر ایسے لوگوں سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ روایات پیش کرتے وقت ان کی حیثیت کی بھی تحقیق کریں گے اور ان روایتوں پر بھی نظر رکھیں گے کہ جن سے کچھ اور ثابت ہے ملاحظہ

فرمائیے کہ محمد بن بابویہ قمی کہ جنکا مختصر تعارف پچھلے صفحات میں کرایا جا چکا ہے کیا فرماتے ہیں۔

قال الشیخ ابو جعفر اعتقادنا ان القرآن الذی

شیخ ابو جعفر رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ عقیدہ ہمارا یہ ہے کہ جتنا قرآن خدا نے اپنے رسول

انزل اللہ تعالیٰ نبیہ محمد صلی اللہ آلہ ھو ابین

جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل کیا تھا وہ انہی دو دفتیوں

الدفتین وھو فی ایدی الناس لیس باکثر

کے درمیان ہے اور وہ امت کے پاس موجود ہے اور اس سے زیادہ نازل نہیں ہوا۔

(اعتقادیہ اردو ترجمہ صفحہ نمبر ۱۵)

اب آخر میں یہ بات رہ جاتی ہے۔ "تقیہ" کی۔ جب کوئی۔ ڈھٹائی اور شر پسندی پر آمادہ ہو تو پھر کوئی کیا کر سکتا ہے۔ لاکھ دلیلیں دیجئے حاصل کچھ نہیں۔ کہدینگے کہ یہ تو تقیہ کر رہا ہے۔ یہی مولانا ربّانی صاحب نے کیا۔ آپ اپنے کتابچہ "روایات اصول کافی" میں فرماتے ہیں کہ شیعہ ہمارا ہی قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن کی حقانیت پر بڑے فلسفیانہ دلائل دیتے ہیں۔ پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہ قرآن حکیم کے منکر ہیں ——— پھر جواباً فرماتے ہیں کہ ان کا یہ سارا عمل تقیہ ہے ——— یہ فرما کر اپنے خیال میں ربّانی صاحب نے شیعہ کی طرف سے صفائی کا دروازہ بند کر دیا ——— مگر حق تو بہرحال ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اگر کسی شخص میں ذرا بھی شرافت ہے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بات اگر تقیہ

کی ہوتی تو دو چار قرآن دکھاوے کے لئے مسجدوں میں رکھ دئے جاتے یا کسی عام محفل میں بقول ربانی صاحب "ہمارا قرآن" پڑھ لیا جاتا مگر صورت حال تو یہ ہے کہ شیعہ تنہائی میں بھی اسی ربانی صاحب کے قرآن کو پڑھتا ہے جہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ اپنے مُردوں کو بھی یہی قرآن پڑھ کر بخشتا ہے (امام بارگاہوں میں سوئم اور چالیسویں کی مجالس میں ذکر حسینؑ سے قبل ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے)۔ نماز میں بھی اسی قرآن کی سورتیں ہوتی ہیں۔ بیٹی کے جہیز میں بھی یہی قرآن دئے جاتے ہیں۔ اب آپ اگر "تقیہ" کے سلسلہ میں اپنے خود ساختہ تصورات کے مطابق بھی غور کریں تو یقیناً آپ کہیں گے کہ تقیہ کا یہ محل نہیں ہے۔

۴۔ وضو۔ نماز۔ روزہ: جہاں تک ان تینوں باتوں کا تعلق ہے تو ان میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ شیعہ وضو سے منکر نہیں صرف طریقہ میں تھوڑا فرق ہے۔ اسی طرح نماز میں بھی ہے۔ روزہ چند منٹ بعد کھولتے ہیں۔ یہ معمولی فقہی اختلافات ہیں۔ اس قسم کے اختلافات تو خود سنیوں کے مختلف مسلکوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں آمین کہنے کے سلسلہ میں، رفع یدین کے سلسلہ میں وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ زکوٰۃ: یہ بھی فقہی مسئلہ ہے۔ اس میں بھی کسی کو بُرا ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صرف یہی اختلاف نہیں ہے کہ جعفری فقہ میں کرنسی نوٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ حکومت نے زکوٰۃ کی

کٹوتی کا طریقہ مقرر کیا ہے اسے بھی درست نہیں سمجھا جاتا اور بہت سے سنی علماء بھی اسے درست نہیں سمجھتے۔ پھر زکوٰۃ کی تقسیم کا مسئلہ ہے۔ اہل تشیع میں اچھی خاصی تعداد سادات کی ہے۔ اور ایک سید کسی غیر سید کی زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ آپ سوچیئے کہ کیا یہ زیادتی نہیں ہے کہ شیعہ زکوٰۃ ادا تو کرے مگر اس فرقہ کے بیشتر مستحق زکوٰۃ کے حصول سے محروم ہو جائیں۔ پھر یہ کہ زکوٰۃ نماز روزہ کی طرح ایک عبادت ہے۔ اس کے لئے بھی نیت کی ضرورت ہے کہ جیسے نماز روزہ کے لئے اور اسکے بھی مبطلات ہیں کہ جیسے دیگر عبادتوں کے۔ لہٰذا مروجہ طریقہ پر کسی شیعہ کا زکوٰۃ کٹوانا اسے ادائیگی زکوٰۃ کے فرض سے سبکدوش نہیں کرتا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ٹیکس سمجھ کر دے دو تو شاید عام اہلسنت کو یہ بات معلوم نہیں کہ شیعوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی ایک شرعی ٹیکس یعنی خمس زکوٰۃ ہی کی طرح واجب ہے اور اس میں اپنی سالانہ بچت کا پانچواں حصہ نکالنا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بعض سنی مولوی شیعہ عقائد کے بارے میں گمراہ کن پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ ویسا ہی انھوں نے زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ شیعہ منکرین زکوٰۃ میں سے ہیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو حضرت ابوبکر نے اپنے دور کے منکرین زکوٰۃ سے کیا تھا۔ مولوی تو اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ شیعہ زکوٰۃ کے منکر نہیں۔ پروپیگنڈہ کی اور بات ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ اب ہماری وضاحت کے بعد سنی عوام بھی اچھی

طرح سے سمجھ جائیں گے کہ شیعہ بھی زکوٰۃ کو نماز، روزہ کی طرح ایک واجب عبادت سمجھتے ہیں۔ انہیں صرف اس طریقہ کار سے اختلاف ہے جسے حکومت نے اختیار کیا۔

۵۔ جہاد: جہاد کے متعلق یہ فرمانا کہ شیعہ غیبت امام میں وجوب جہاد کے قائل نہیں ہیں۔ درست ہے۔ مگر اس سلسلہ کی توضیحات کے بغیر یہ ارشاد محض مخالفانہ پروپیگنڈہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ شیعہ عقائد کے بموجب ظہور امام مہدی علیہ السلام ہوگا تو وہ کفر کا نام و نشان مٹانے کے لئے جہاد عام کا اعلان کرینگے اور ہر مومن پر فرض ہوگا کہ وہ امام زمانہ کی آواز پر لبیک کہے۔ امام زمانہ کے علاوہ کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس صورت کا جہاد کرے۔ لہٰذا کسی مومن پر ایسے کسی جہاد میں حصہ لینا فرض نہیں ہے۔

مستشرقین نے جہاد کے مسئلہ کو بھی غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام کے تمام مسلکوں میں شیعہ عام مسلمانوں سے جدا ہیں۔ انھیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ دراصل یہ اسلام کے پردہ میں اسلام کے دشمن ہیں۔ ان کا جہاد کے لئے اپنے امام غائب کا انتظار اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اسلام کے استحکام اور بقاء سے دلچسپی نہیں رکھتے"۔ ہم نے غیبت امام میں عدم وجوب جہاد کے نظریہ کی وضاحت کر دی ہے۔ اب ہم اس بات کو بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ شیعہ کے اس عقیدے کا کوئی منفی۔

اثر نہ تو اسلام پر پڑتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں پر بلکہ شیعہ سب سے زیادہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ مسلمان کسی کافر کے محکوم نہ رہیں اور نہ ہی عالمی سیاست میں کسی بڑی طاقت سے مرعوب ہوں۔ چاہے دنیا بھر کی تکلیفیں اٹھالیں مگر کسی کی کاسہ لیسی نہ کریں، غرضیکہ کسی بھی طاغوتی طاقت کے آگے سر نہ جھکائیں ۔ یہ باتیں صرف خواہش ہی کی حد تک نہیں بلکہ شیعہ اس کا عملی ثبوت بھی رکھتے ہیں ۔ جسے نہ تو حسب عادت جھٹلایا جاسکتا ہے اور نہ تقیہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی بات کہ دنیا نے ایک رات ممتاز شیعہ اسکالر علامہ رشید ترابی کی انتہائی جوشیلی اور ولولہ انگیز تقریر ریڈیو پاکستان سے سنی ۔ یہ تقریر یہ تھی کہ جسے سن کر ہر مسلمان کا دل جوش جہاد سے بھر جائے ۔ یہ شیعہ کے حق میں ایسا جیتا جاگتا ثبوت کہ مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم حالیہ دور کی ایک اور مثال لیتے ہیں۔

—— یہ ہے ایران کی مثال کہ نہ یہ امریکہ سے خائف ہے اور نہ روس سے ۔ دونوں بڑی طاقتوں کو کھلم کھلا شیطانی طاقتیں کہتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان جذبۂ جہاد سے سرشار ہو جائیں ۔ اور بڑے سے بڑی جابر طاقت کے آگے نہ جھکیں ۔ اس سلسلہ میں آقائے خمینی کے وہ ارشادات ملاحظہ ہوں کہ جو انہوں نے ائمہ جمعہ و جماعت کی عالمی کانفرنس کے وفد سے ملاقات کے دوران فرمائے

"موجودہ دور صرف زبانی جمع خرچ کرنے کا دور نہیں ہے

بلکہ یہ عمل کا وقت ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح ایران کے علماء نے ایرانی قوم کو محاذ جنگ کے لئے تیار کیا ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنے ملک کے مسلمانوں کو باطل کے خلاف محاذ جنگ پر لا کھڑا کریں اور اپنے اس مقصد کے لئے ایسی تبلیغی مہم کا آغاز کریں جس کے نتیجہ میں آپ ایسے مسلمان مجاہدین کو کفر اور استبداد کے خلاف میدان جنگ میں نبرد آزمائی کے لئے تیار کر سکیں جو بڑی طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کے ان ہاتھوں کو کاٹ دیں جو اسلام کے خلاف بلند ہوں اور ان اسلام دشمن عناصر کو اسلام کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکیں۔"

(آئمہ جمعہ و جماعت کی پہلی عالمی کانفرنس کے وفد سے امام خمینی کا خطاب
مطبوعہ رسالہ وحدت اسلامی فروری ۱۹۸۰ء)

اب ہم ان شکایات کا جائزہ لیں گے کہ جس کا تعلق عزاداری حسین سے ہے۔

1 - مجالس عزا ——— شکایت ہے کہ ان سے ٹریفک میں خلل پڑتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر سے سکون برباد ہوتا ہے۔ ان مجالس میں تبرّا بازی ہوتی ہے بعض حضرات گالیوں تک کی شکایت کرتے ہیں ——— مگر ٹریفک میں خلل ڈالنا تو اس ملک کا دستور ہے؟ شیعہ مجالس تو عام طور سے امام بارگاہوں میں ہوتی ہیں۔ چند بڑے اجتماعات میں کچھ مجمع باہر آجاتا ہے۔ اور کچھ سامعین کی گاڑیوں کا ہجوم ہوتا ہے ——— یہ تو بہر حال مجبوری کی بات ہے۔ معاف کر دیجئے۔ مگر ان

اجتماعات کے متعلق کیا خیال ہے جو بلا جواز سڑکوں پر شامیانہ لگا کر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً سیرۃ النبیؐ کے جلسے، قوالیاں، شادیاں وغیرہ۔ اب رہی تبرا بازی اور گالیاں دینے کی بات تو یہ اس وقت سمجھ میں آسانی ہے کہ جب ٹھنڈے دل سے اس کا جائزہ لیا جائے۔ جہاں تک گالیوں کا سوال ہے تو نہ ہی اجتماعات میں اس کا کیا کام۔ اب رہی تبرا بازی کی اصطلاح۔ تو پہلے اس کا مفہوم سمجھ لیجئے۔ تبرا دراصل تولا کی ضد ہے۔ یہ دونوں شیعہ فروع دین میں شامل ہیں۔ تولا سے مراد ہے رسول اور اہل بیت رسول سے محبت و وابستگی اور تبرا سے مراد ہے دشمنانِ اہل بیت سے بیزاری اور ان کے اعمال و افعال سے دوری اختیار کرنا۔ مجالس میں تبرا کا کیا انداز ہوتا ہے۔ اس کو بھی ہم بغیر کسی مصلحت کے بیان کئے دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ باتیں جو لکھی ہوں گی سچی ہوں گی۔ اب جبکہ ہم صحیح صورت حال پیش کر رہے ہیں تو پڑھنے والوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور ہمارا موقف سمجھنے کی کوشش کریں —— اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم صحابہ کے بارے میں شیعہ عقائد صاف صاف عرض کئے دیتے ہیں تاکہ اصل مسئلہ بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ گو کہ یہ تلخ حقیقت سنیوں کو بھی ناگوار ہوگی اور بعض شیعوں کو بھی۔ سنیوں کی ناگواری کی وجہ تو صاف ہے مگر بعض شیعہ اپنی بیجا مصلحت پسندی کی وجہ سے ناراض ہوں گے۔ مگر ہمارے

خیال میں ان حقائق کو چھپانا زیادہ نقصان دہ ہے بہ نسبت ان کے
اظہار کے کیونکہ بات چھپتی بھی نہیں ہے اور پھر مخالفین ان باتوں
کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں جس سے لوگوں کی طبیعت
میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور مولوی صاحبان کے ہاتھ میں تو شیعوں
کے خلاف جذبات ابھارنے کا یہ انتہائی موثر حربہ ہے۔ دراصل
جھگڑے کی اصل جڑ یہی ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس کا جائزہ خالی ہاتھ
ہوئے بغیر معروضی انداز سے لیں تاکہ مزید فساد نہ پھیلے۔

سب سے پہلے ہم یہ عرض کر دیں کہ شیعہ کے ہاں۔
"صحابی" کی تعریف وہ نہیں ہے کہ جو سنی کے ہاں ہے۔ شیعہ
کے نزدیک ہر وہ شخص "صحابی" نہیں ہے جس نے کلمہ پڑھا، رسول کی
زیارت کا شرف حاصل کیا اور وقت آخر تک کلمہ پر قائم رہنے کا اظہار
کیا۔ جیسا کہ سنی کے نزدیک ہے ــــ شیعہ صرف اسے واجب الاحترام
صحابی سمجھتے ہیں کہ جس نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا ہو اور
زندگی بھر اس کے کسی قول یا فعل سے رسول و اہلبیت رسول کے لئے دشمنی
کا اظہار نہ ہوا ہو۔ نیز مرتے دم تک کلمہ پر قائم رہا ہو۔ پس شیعوں کے
نزدیک صرف یہی ایک پیمانہ ہے محبت و عداوت کا۔ ہم نے یہ بات
تو عام صحابہ کے بارے میں بتائی۔ اب رہ گئے خلفاء ثلاثہ یعنی
حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان۔ ان کے سلسلہ میں شیعہ
عقیدہ اور زیادہ واضح ہے۔ ان مسائل پر مناظرہ کی کتابیں بھری

خیال میں ان حقائق کو چھپانا زیادہ نقصان دہ ہے بہ نسبت ان کے اظہار کے کیونکہ بات چھپتی بھی نہیں ہے اور پھر مخالفین ان باتوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں جس سے لوگوں کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور مولوی صاحبان کے ہاتھ میں شیعوں کے خلاف جذبات ابھارنے کا یہ انتہائی موثر حربہ ہے۔ دراصل جھگڑے کی اصل جڑ یہی ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس کا جائزہ خیالاتی ہوئے بغیر معروضی انداز سے لیں تاکہ مزید فساد نہ پھیلے۔

سب سے پہلے ہم یہ عرض کر دیں کہ شیعہ کے ہاں "صحابی" کی تعریف وہ نہیں ہے کہ جو سنّی کے ہاں ہے۔ شیعہ کے نزدیک ہر وہ شخص "صحابی" نہیں ہے جس نے کلمہ پڑھا، رسول کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور وقت آخر تک کلمہ پر قائم رہنے کا اظہار کیا۔ جیسا کہ سنّی کے نزدیک ہے ــــ شیعہ صرف اسے واجب الاحترام صحابی سمجھتے ہیں کہ جس نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا ہو اور زندگی بھر اس کے کسی قول یا فعل سے رسول و اہلبیت رسول کے لئے دشمنی کا اظہار نہ ہوا ہو۔ نیز مرتے دم تک کلمہ پر قائم رہا ہو۔ پس شیعوں کے نزدیک صرف یہی ایک پیمانہ ہے محبت و عداوت کا۔ ہم نے یہ بات تو عام صحابہ کے بارے میں بتائی۔ اب رہ گئے خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان۔ ان کے سلسلہ میں شیعہ عقیدہ اور زیادہ واضح ہے۔ ان مسائل پر مناظرہ کی کتابیں بھری

پڑی ہیں۔ یہاں ان باتوں پر مناظرانہ انداز اختیار کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا غلط اور صحیح کی بحث میں پڑے بغیر صرف یہ بتایا جائیگا کہ اس سلسلہ میں شیعہ عقائد کیا ہیں اور یہ عقائد شیعہ دنیا کے مستند علماء کی تحریریں کے اقتباسات کی صورت میں پیش کئے جائیں گے۔ سب سے پہلے "اعتقادیہ" شیخ صدوق سے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

وقال النبی من جحد علیا امامتہ بعدی فقد جحد نبوتی ومن جحد نبوتی فقد جحد اللہ ربوبیتہ۔

جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص میرے بعد علی کی امامت کا انکار کرے تو اس نے میری نبوت سے انکار کیا اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا تو وہ خدا کے رب ہونے کا منکر ہو گیا۔

وقال النبی یا علی انت المظلوم بعدی ومن ظلمک فقد ظلمنی

جناب رسول خدا نے فرمایا۔ اے علی تم پر میرے بعد ظلم کیا جائیگا اور جو شخص تم پر ظلم کرے گا تو اس کا ظلم مجھ پر ہو گا۔

ومن انصفک فقد انصفنی ومن جحدک فقد جحدنی

جو شخص تمہارے ساتھ انصاف کرے گا تو اس کا انصاف مجھ پر ہو گا اور جو تمہارا منکر ہو گا وہ میرا انکاری ہو گا۔

ومن والاک فقد والانی ومن عاداک فقد عادانی

اور جو تم سے محبت کرے گا وہ میرا دوست ہو گا اور جو تم سے عداوت

رکھے گا وہ میرا دشمن ہوگا۔

ومن اطاعک فقد اطاعنی ومن عصاک فقد عصانی

اور جو تمہاری اطاعت کرے گا وہ میرا فرمانبردار ہے اور جو تمہاری مخالفت کرے گا وہ میرا نافرمان ہے۔

واعتقادنا فی من جحد امامۃ امیر المومنین علی ابن ابی طالب والائمۃ من بعدہ جحد نبوۃ جمیع الانبیاء

اور ہمارا اعتقاد اس شخص کے بارے میں جو شخص امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور ان کے بعد والے ائمہ کی امامت کا انکار کرے تو ایسا شخص اس کے مانند ہے جو تمام نبیوں کی نبوت کا منکر ہے

واعتقادنا من قاتل علیا فانہ کافر بقول النبی من قاتل علیا فقد حاربنی ومن حاربنی فقد حارب اللہ

اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی سے جنگ کرنے والا کافر ہے کہ رسول خدا نے فرمایا جس نے علی سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور جس نے مجھ سے جنگ کی وہ خدا سے لڑا۔

ولقول النبی لعلی علیہ السلام فاطمہ والحسن والحسین انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم

اور حضور سرور عالم نے حضرت علی و فاطمہ زہرا اور حسن و حسین سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا جو تم سے لڑے گا اسکی میری لڑائی ہے اور جو تم سے صلح رکھے گا اس سے میری صلح ہے۔

وانها خرجت من الدنیا ساخطة علی ظالمیها وغاصبی حقها ومن نفی

اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب سیدہ کا دنیا سے کوچ ایسے حال میں ہوا کہ وہ معصومہ غضبناک تھیں۔ ان لوگوں پر کہ جنہوں نے ان پر ظلم کیا اور ان کے حق کو چھینا۔

من ابیها ارثها وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ان فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذنی

اور میراث پدر سے روکا۔ حالانکہ رسول خدا فرما چکے تھے کہ فاطمہ میرا ایک حصّہ ہے۔ جو کوئی اسے ایذا دے گا اس کی ایذا مجھ پر ہو گی۔

وانه لایتم الاقرار باللہ ورسوله وبالائمة المعصومین الا بالبرائة من اعدائهم۔

اور یہ بھی عقیدہ ضروری ہے کہ خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت اور ائمہ معصومین کی امامت کا اقرار پورا نہیں ہو سکتا جبتک کہ ان کے دشمنوں سے بیزاری اور نفرت نہ ہو۔

واعتقادنا فی قتلة الانبیاء وقتلة الائمة المعصومین انهم کفار مشرکین مخلدون فی اسفل درک من النار

اور ہمارا عقیدہ نبیوں کے قاتلوں اور ائمہ معصومین کے قاتلوں کے بارے میں یہ ہے کہ یہ لوگ کافر مشرک ہیں۔ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

واعتقد بهم غیر ما ذکرناه فلیس عندنا من دین اللہ فی شیء

اور جو شخص ان کے بارے میں اس کے برخلاف عقیدہ رکھے جو ہم نے ذکر کیا وہ ہمارے نزدیک دین خدا میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(اعتقادیہ از محمد بن بابویہ قمی ــــ لقب شیخ صدوق)

اردو ترجمہ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷

اب ہم اصل و اصول شیعہ سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ یہ کتاب محمد حسین آل کاشف الغطاء نے نجف اشرف (عراق) میں تقریباً نصف صدی پیشتر لکھی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ جناب ابن حسن صاحب قبلہ نجفی نے کیا۔

"امامت یہی وہ امتیازی مسئلہ ہے جس کی بنا پر شیعہ فرقہ عام فرقوں سے الگ تھلگ نظر آتا ہے اور یہی وہ اساسی اور بنیادی فرق ہے جو اس مکتب خیال کو عام مکاتب سے علیحدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جو اختلافات ہیں ان کی حیثیت اصولی نہیں بلکہ فروعی ہے۔ امامیہ فرقہ کے نزدیک امامت وہ منصب الٰہی ہے جو نبوت کی طرح پروردگار عالم کی جانب سے ہدایت خلق کے لئے عطا ہوتا ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب باری تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ علی ابن ابی طالب کو اپنا جانشین مقرر کریں تاکہ ختم نبوت کے بعد کار تبلیغ جاری رہے۔

رسول اکرم کو معلوم تھا کہ یہ عہدہ لوگوں کو کھٹکے گا۔ اگر اپنے

بھائی کی چاہت اور داماد نوازی پر محمول کریں گے ....
لیکن قدرت نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی اور بالکل صاف صاف لفظوں میں حکم دیا۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

(اے رسول! تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس کا فوراً اعلان کر دو اگر مفوضہ کام کی انجام دہی میں ذرا تساہل برتا تو یہ سمجھا جائے گا کہ تم نے کار رسالت انجام ہی نہیں دیا)

اس صورت میں سوا تعمیل حکم کے اور کیا چارہ تھا؟
چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کے بعد "غدیر خم" میں لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ "الست اولی بالمومنین من انفسھم"
کیا میں تمام مومنین سے اولی نہیں ہوں؟ یعنی میرا نفس سب پر مقدم نہیں ہے؟
پورے اجتماع نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ بیشک رسول مقبول آپ ہم سب سے اولی ہیں۔ ان گواہیوں کے بعد پیغمبر نے فرمایا۔
"من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"
جن لوگوں نے میری ولایت کو تسلیم کیا یہ علی بھی ان کا ولی امر ہے۔
اس کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر اس حقیقت کی توضیح و تصریح فرمائی ہے۔ گاہے اشاروں اشاروں میں اور کبھی کھلم کھلا۔ حضور نے

اپنا فرض ادا کر دیا۔ حکم خدا کی تعمیل ہو گئی ـــــــ لیکن ختم رسل کی آنکھ بند ہوتے ہی بعض دیدہ دلیر مسلمان حقیقت پر پردہ ڈالنے کے درپے ہو گئے۔ نص صریح کی تاویل کی اور اپنے اجتہاد سے احکام میں تغیر و تبدل کرنے لگے۔ نتیجہ جو ہوا ظاہر ہے۔

بہر حال علیؑ اور ان کا گروہ جو بڑے جلیل القدر صحابیوں پر مشتمل تھا۔ خود اس خود ساختہ روش سے علیحدہ ہو رہا اور بیعت سے انکار کر دیا .... مختصر یہ کہ امامیہ حضرات اس امر کے معتقد ہیں کہ ہم علیؑ کے ساتھی ہیں اور آپ ہی کے پیرو۔ علیؑ جس کے دوست ہم اس کے دوست اور علیؑ جس کے دشمن ہم اس کے دشمن۔"

(اصل الشیعہ و اصولہا۔ از حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء)
(اردو ترجمہ جناب علامہ ابن حسن نجفی صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۴)

اب دور حاضر کے شیعہ عالم حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ کی کتاب "امامت و حکومت" در جواب خلافت و ملوکیت سے ہم ایک فیصلہ کن اقتباس نقل کر رہے ہیں۔ آپ تولی و تبری کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

مذہب شیعہ میں یہ نظریہ اساس مذہب کی حیثیت رکھتا ہے کہ کھرے کو کھرا کہو اور اس سے محبت رکھو اور کھوٹے کو کھوٹا سمجھو اور اس سے نفرت کرو۔ اسی بنا پر شیعہ مسلک کی رو سے بڑے سے بڑی

شخصیت کی غلطی کو لیپ پوت کر چھپانا ناجائز ہے۔ پس دور فتن کی تاریخ میں جن لوگوں نے حق کا ساتھ دیا اور شہید ہوئے شیعہ نظریہ کے ماتحت وہ واجب الاحترام بزرگ تھے اور ان سے محبت واجب ہے۔ لیکن! جن لوگوں نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا اور حق کے مقابلے میں آگئے۔ شیعہ نظریہ کی رو سے وہ باغی تھے ظالم تھے اور باطل پر تھے۔ خواہ وہ اس سے پہلے کتنی بڑی شخصیت کے مالک ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کا احترام اور بزرگی اسوقت تک مسلم تھی جب تک وہ حق کے ساتھی تھے۔ جب انہوں نے حق سے انحراف کر لیا۔ نہ ان کی بزرگی رہی۔ نہ وہ قابل احترام رہے۔ وہ قابل نفرت و مذمت ہیں نہ کہ قابل تعریف و مدح۔ البتہ جسکے متعلق غلطی کرنے کے بعد توبہ ثابت ہو جائے تو شیعہ کے نزدیک اس کے احترام میں کمی نہیں ہوتی اور شیعہ مذہب میں تولی و تبری کا یہی مفہوم ہے کہ نیک سے محبت کرو اور برے سے بیزاری کرو۔ شیعہ مسلک "کلھم عدول" کا قائل نہیں ہے بلکہ جو راست باز تھے اور ثابت قدم رہے یا پھسلنے کے بعد تائب ہو کر مرے واجب الاحترام ہیں۔ لیکن جو غلط کار تھے اور رہے اور توبہ کے بغیر مر گئے وہ قطعاً واجب الاحترام نہیں ہیں اور شیعہ مذہب کا یہی عقیدہ جمہور اہل اسلام کے تقلیدی عقیدہ سے ہمیشہ برسر پیکار رہا ہے اور اسی بنا پر شیعہ جمہوری اسلامی حکومتوں میں تقیہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے تھے۔ چنانچہ

صحابی رسول حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو اسی الزام میں گرفتار کر کے معاویہ نے قتل کر دیا۔ عمرو بن الحمق صحابی کو اسی عقیدہ کی پاداش میں معتوب قرار دیکر مردہ لاش سے سر کو الگ کیا گیا اور پھر تشہیر کرایا گیا۔ اور میثم تمار کو اس ہی عقیدہ کی سزا میں پھانسی دی گئی اور اموی دور میں شیعان علی پر مظالم کے پہاڑ گرائے گئے

(امامت وملوکیت از حجۃ الاسلام مولانا حسین بخش قبلہ ص ۹۳، ۹۴)

ہم نے اس نازک مسئلہ پر تین شیعہ علماء کے حوالے پیش کئے

ان حوالوں سے اس مسئلہ کی تمام جزئیات سامنے آگئیں اور بالکل واضح ہو گیا کہ اس سلسلہ میں شیعہ عقائد کیا ہیں۔ ان اقتباسات کی روشنی میں ایک نام نہاد مفتی کا ایک اخباری بیان (جو کہ کچھ عرصہ پہلے "جنگ" میں شائع ہوا تھا) سفید جھوٹ قرار پائے گا۔ جو کہ شاید اپنے نئے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے بولا گیا تھا۔ ورنہ اب تک تو یہی دیکھا گیا ہے کہ بعض شیعہ عالم کبھی کبھی حالات کی نزاکت اور قومی تحفظ کی خاطر صرف اتنا کہہ دیا کرتے ہیں کہ "ہم بھی سب صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور یہ کہتے وقت ان کے ذہن میں صحابی کی "تعریف" ان کے اپنے عقائد کے مطابق ہوتی ہے۔ (جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں عرض کر چکے ہیں) اس کے علاوہ شیعہ علماء دوسروں کے جذبات کے احترام میں خلفاء ثلاثہ و دیگر صحابہ (کہ جنکے بارے میں ان کے خیالات اچھے نہیں ہیں) کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ بہر حال اس نام نہاد مفتی

کے بیان کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہیئے کہ ہر قوم میں اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ حیرانی ضرور ہے کہ اس اساسی مسئلہ پر (وہ بھی اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہوئے) اتنی غلط بیانی سے کام لیا گیا ——— شاید یہ شیعہ تاریخ کی پہلی مثال ہے۔

یہ سب کچھ لکھنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ تمام مسلمان یہ اچھی طرح سے جان لیں کہ خلافت کے مسئلہ میں، خلفاء ثلاثہ کے بارے میں اور عام صحابہ کے بارے میں شیعہ عقائد کیا ہیں۔ اور چونکہ یہ اساسی عقائد ہیں اور یہی عقائد شیعوں کو جمہور مسلمانوں سے جدا کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں صحیح صورت حال کو سامنے لانا تھا۔ چنانچہ ہم نے یہ اہتمام کیا کہ قدیم و جدید ہر دو ادوار کے مستند علماء کے حوالہ سے بات کریں۔ ہم محمد بن بابویہ قمی ملقب بہ شیخ صدوق نجف اشرف (عراق) کہ جنکا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا ہے اور جو مشہور ترین کتب اربعہ میں سے ایک کے مصنف ہیں، جنکا مقام شیعہ دنیا میں بہت بلند ہے۔ اور حجۃ الاسلام محمد حسین آل کاشف الغطا نجف اشرف (عراق)۔ جنہوں نے پچھلی صدی ہجری کا زمانہ پایا۔ کاشف الغطا کا نام شیعہ دنیا کا معروف نام ہے۔ پھر موجودہ دور کے عالم حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا، بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمعیل خان کے الفاظ میں اس مسئلہ کی جزئیات تک کو سامنے لے آئے۔

اب ہم ان سوالوں کا جواب دیتے ہیں کہ جو ان عقائد کو پڑھنے کے بعد عام سُنّی مسلمانوں کے ذہن میں ہوں گے اور یہ جواب بھی ہم لبنان کے عظیم المرتبت عالم آیۃ اللہ آقائی عبدالحسین شرف الدین موسوی کی تصنیف "المراجعات" کے اردو ترجمہ "دینِ حق" سے دیں گے

سب سے پہلا سوال لازمًا یہ ہوگا کہ اگر خلافت علیؑ کے لئے نصِ رسول تھا تو پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ صحابہ جیسی جماعت نے حکم رسول کی خلاف ورزی کی؟ اس سوال کے جواب میں وہ مقامات دیکھ لیجئے جہاں صحابہ نے حکم رسول کی خلاف ورزی کی۔ آگے آپ کی دلچسپی کہ اگر آپ تفصیل میں جانا چاہیں تو اس سلسلہ کا تحقیقی مواد پڑھ لیں ——— ہمیں تو صرف شیعہ مسلک بتانا ہے۔ جیسے کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ ہمیں اس کتاب میں مناظرانہ انداز اختیار نہیں کرنا ہے۔

واقعہ قرطاس - اسامہ بن زید کے سردار لشکر بنانے پر اعتراض۔ جیشِ اسامہ کا مخالفت تاکید رسول کے باوجود روانہ نہ ہونا۔ حکم رسول کے باوجود مارق (دین سے نکل جانے والا) کو قتل کرنے سے باز رہنا۔ صلح حدیبیہ میں مخالفت۔ جنگ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم کے وقت مخالفت جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیتے وقت مخالفت۔ جنگ تبوک میں سامان رسد ختم ہو جانے پر جبکہ فاقہ کی نوبت آئی اور پیغمبر نے بعض اونٹوں کو نحر کرنے کا حکم دیا۔ جنگ احد میں احد کی گھاٹیوں میں جو جرم لغزش سرزد ہوئیں وہ بھی سراسر حکم پیغمبر کی مخالفت تھی۔ منافق کی میت پر

نماز پڑھنے کے روزے۔ خمس وزکوٰۃ کی دونوں آیتوں میں۔ تہری طلاق کی آیت میں تاویل کر کے مخالفت حکم پیغمبر کی گئی۔ کیفیت اذان جو پیغمبر سے منقول ہے۔ اس میں تغیر کر کے حکم پیغمبر کی مخالفت کی گئی۔"
"نماز جنازہ میں پیغمبر نے جتنی تکبیریں کہنے کا حکم دیا اسکی تعداد میں کمی بیشی کر کے حکم پیغمبر کی مخالفت کی گئی۔ خاطب بن بلقہ والے واقعہ میں معارضہ کرنا۔ مقام ابراہیم میں رسول سے جو باتیں ظہور پذیر ہوئیں ان پر لب کشائی۔ مسلمانوں کے گھروں کو مسجد میں ملا لینا۔ ابوخراش ہذلی کے دیتہ کے [illegible] میں یمنیوں کے خلاف فیصلہ کرنا۔ نصر بن حجاج سلمی کو جلا وطن کرنا۔ حبار بن سلیم پر حد جاری کرنا۔ چراگاہوں پر لگان کا لگانا۔
کیفیت ترتیب جزیہ۔ شوریٰ کے ذریعہ خلافت کے مسئلہ کو طے کرنا۔ مخصوص طریقوں سے رات کو گھومنا۔ لوگوں کے بھید لینا۔ ان کی جاسوسی کرنا۔ اس کے علاوہ اور بیشمار موارد ہیں۔ جہاں صحابہ نے حکم پیغمبر کو ٹھکرایا۔ زبردستی سے کام لیا۔ مصالح عامہ کو پیش نظر رکھا۔

(المراجعات از آیۃ اللہ عبد الحسین شرف الدین)
اردو ترجمہ دین حق۔ ص۔ ۳۲۷ تا ۳۴۸

دوسرا سوال ایک حدیث رسول کی روشنی میں سامنے آتا ہے یعنی لا تجتمع امتی علی ضلال یعنی میری امت گمراہی

پیر کبھی اجماع نہیں کرے گی تو پھر خلافت ابوبکر اگر گمراہی تھی تو اس پر اجماع کیسے ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے

.... رسالت مآب نے یہ جو فرمایا کہ میری امت کبھی خطا پر اجماع نہ کریگی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس امر کو امت والے باہم رائے مشورہ کر کے اپنی پسند و اختیار سے اتفاق آراء سے طے کر لیں اس میں خطا اور گمراہی نہ ہو گی۔ حدیث کو دیکھنے سے یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے اور کوئی دوسرا مطلب سمجھ میں نہیں آتا لیکن وہ امر جسکو امت کے چند نفر طے کر لیں اور اس پر اڑ جائیں اور اس پر اہل حل و عقد کو وہ مجبور بنا لیں تو اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔ سقیفہ کی بیعت باہمی صلاح و مشورہ سے نہیں ہوئی۔ اس کے کرتا دھرتا تو حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور چند گنتی کے لوگ تھے۔ ان ہی دو چار آدمیوں نے یہ طے کیا اور ناگہانی طور ارباب حل و عقد پر یہ چیز پیش کی۔ اس وقت کی نزاکت حالات نے مساعدت کی اور جو وہ چاہتے تھے ہو گیا۔

.... روایت کی بنا پر یہ بات بالکل بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اہلبیت رسالت کی ایک فرد بھی سقیفہ کے اندر موجود نہ تھی بلکہ سب کے سب حضرت علی کے گھر میں اکٹھا تھے اور ان کے ساتھ جناب سلمان فارسی، ابوذر، مقداد، عمار، زبیر، خذیمہ بن ثابت ابی بن کعب، براء بن عازب، خالد بن سعید بن عاص اموی اور بھی ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے۔

توجب یہ سب کے سب بیعت کے موقعہ پر موجود ہی نہ تھے
جب رسول کے کل اہل بیت کنارہ کش رہے ۔ جنکی حیثیت امت کے
درمیان ایسی ہے جیسے بدن میں سر اور چہرے پر آنکھیں ۔ جو نقل پیغمبر
تھے مخزانہ پیغمبر تھے ۔ کتاب خدا کے ہم پلہ تھے ۔ اُمت کی نجات کا سفینہ
تھے ۔ امت کے لئے باب حطہ تھے ۔ گمراہی اور ضلالت سے جائے امان
تھے ، علم ہدایت تھے ۔ تو پھر اجماع کہاں سے ہو گیا ؟ "
(المراجعات ـــــ اردو ترجمہ دین حق
صد ۳۰۸ تا صد ۳۱۱)
اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ خود علیؑ نے بھی تو بیعت کر لی تھی ؟
تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ۔

" بخاری اور مسلم نے اپنے اپنے صحیح میں اور بکثرت محققین ۔
علماء اور محدثین نے اس کے ثبوت اکٹھا کئے ہیں کہ حضرت علی بیعت
سے کنارہ کش ہی رہے آپ نے بیعت ہی نہ کی اور نہ مصالحت فرمائی ۔
ہاں جب سیدہ کا انتقال ہو گیا ۔ چھ مہینہ کے بعد اور
وقت کی ضرورت و ملت اسلامیہ کی خیر خواہی نے آپ کو مجبور کیا تو آپ
نے مصالحت کر لی ۔ اس کے ثبوت میں خود حضرت عائشہ سے حدیث
مروی ہے ۔ جس میں جناب عائشہ نے صاف صاف تصریح کی ہے کہ
جناب سیدہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئیں اور رسول کے بعد مرتے دم
تک ان سے گفتگو نہ کی اور جب حضرت علی نے ان لوگوں سے مصالحت
فرمائی تو یہ بھی کہہ دیا کہ ان لوگوں نے میرے حق خلافت کو غصب کر کے

زبردستی کی ہے۔ حدیث میں فقط مصالحت کا ذکر ہے۔ اس کی کوئی تشریح نہیں کی کہ آپ نے صلح کرتے وقت ان کی بیعت بھی کرلی تھی (المراجعات ——— اردو ترجمہ دین حق صا۳۱)

اب آخری سوال یہ ہے کہ غاصب حکومت سے مصالحت کیسی؟ اور پھر یہ کہ علی اور ان کے بیٹوں نے ایسی حکومت سے کہ جو جائز نہ ہو۔ مادی فوائد کیوں حاصل کیے؟

" اگر زمام سلطنت کا حاکم شرعی (یعنی رسول اللہ کے صحیح جانشین و نائب) کے ہاتھ میں رہنا ممکن ہو تو بس وہی فرماں روا ہوگا کوئی دوسرا نہیں۔ اور یہ متعذر ہو اور مسلمانوں پر حاکم شرعی کے علاوہ کوئی دوسرا مسلط ہو جائے تو اس صورت میں امت اسلام پر واجب ہے کہ ہر ایسے معاملے میں، جس میں اسلام کی عزت و شوکت سرحدوں کی حفاظت، ملک کا امن و امان ستھرا ہو، بادشاہ سے تعاون کرے مسلمانوں میں افتراق نہ پیدا کرے .... زمین کا خراج ولگان ادا کرے۔ چوپایوں کی زکوٰۃ دے۔ نیز اس قسم کی چیزیں جو بادشاہ نے خراج ولگان کے طور پر رعایا سے حاصل کی ہوں۔ مسلمانوں کے لئے اس کا لینا بھی جائز ہے۔ خرید و فروخت کے ذریعہ، انعام و بخشش کے طور پر یا اور جو صورتیں پانے کی ہوں۔

یہی طرز عمل امیر المومنین کا رہا اور آپ کی نسل سے جو ائمہ طاہرین ہوئے ان کا مسلک بھی یہی رہا۔" (المراجعات اردو ترجمہ دین حق صا۱۳۱)

اب جبکہ یہ بات کلی طور سے واضح ہو گئی کہ خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کے بارے میں شیعہ عقائد و نظریات کیا ہیں اور اس مسئلہ کی تمام جزئیات سامنے آگئیں تو اب ہم سُنّی حضرات کی اصل شکایت کی طرف آتے ہیں کہ شیعہ اپنی مجالس میں صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں، تبرّا کرتے ہیں، اشارہ اور کنایہ میں ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہم ان باتوں کی وضاحت صرف کراچی کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے کریں گے۔ کیونکہ ہمارا گہرا مشاہدہ صرف کراچی کے مراسم عزا داری کا ہے۔

گالیوں سے مراد اگر باقاعدہ گالیاں ہیں تو یہ ایک بیہودہ اور بے بنیاد الزام ہے اور اگر تبرّا بازی سے مراد کسی صحابی کے لئے "لعن" کے نعرے لگانا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ ہاں اگر یزیدیت مردہ باد کے نعرے کو تبرّا بازی شمار کیا جا سکتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ تبرّا بازی ہوتی ہے۔ مجالس کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ہر شخص وہاں جا کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ مجالس کا عام نعرہ نعرۂ حیدری "یا علی"۔ نعرہ ہائے محمد و آل محمد۔ حسینیت زندہ باد اور یزیدیت مردہ باد ہے۔ اسکے علاوہ اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو وہ سراسر الزام ہے اور شیعہ کے خلاف پروپیگنڈہ ہے۔ بعض مجالس میں ایک نوجوان ممتاز شیعہ خطیب نے ابو سفیان اور معاویہ مردہ باد کے نعرے ضرور لگوائے ہیں۔ جسکا ایک خاص سبب ہے۔ اس کی وضاحت ہم

آگے مناسب مقام پر کر دیں گے۔

تبرا بازی کے سلسلہ میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس میں صرف اتنا سچ ہے کہ شیعہ عالم جب فضائل محمد آل محمد بیان کرتا ہے تو موقعہ محل کے اعتبار سے اشارہ کنایہ میں ان باتوں کو بھی تذکرہ کرتا ہے کہ جو اسکے اپنے عقائد کے مطابق ہیں۔ مگر سنی عقائد کے خلاف ہیں — یہ باتیں عموماً بعض شخصیات کے خلاف ہوتی ہیں۔ ہم نے بڑے سے بڑے عالم کو سنا ہے۔ ان سب میں سے شاید ایک آدھ ایسا مل جائے کہ جو اس الزام سے بری ہو۔ دراصل یہ شیعہ کی مجبوری ہے۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر — غالب

اور اس مجبوری پر اہلسنت کو سوا صبر کے چارہ نہیں ہے، یہ کام ہمیشہ سے ہو رہا ہے۔ اور جب سے باقاعدگی سے مجالس عزا منعقد ہونا شروع ہوئیں تب سے یہ کام بھی قاعدے سے ہو رہا ہے یہ کام اتنی باریکی سے ہوتا ہے کہ اسے صرف شیعہ ہی سمجھتا ہے یا پھر وہ سنی کہ جو تاریخی اور مذہبی معلومات رکھتا ہو۔ مجالس کے مزاج سے واقف ہو۔ چنانچہ سنی عوام میں یہ بات لانے والے یہی لوگ ہیں۔ سنی مولوی اسی بات کو ایک مؤثر حربہ بناتا ہے اور سنی عوام کے دلوں میں شیعوں کے لئے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جاہل اور نیم

خواندہ سنی اس سے نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہی نفرت کبھی۔
کبھی شدید اشتعال کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یہ صورت بعض
اوقات فساد پہ منتج ہوتی ہے پڑھا لکھا سُنی یہ باتیں سن کر خاموش
رہتا ہے یا مسکرا دیتا ہے اور جیسے تاریخی معلومات ہوتی ہیں وہ ترکی بہ ترکی
جواب دیتا ہے اور مزے لیتا ہے۔

ہم نے جو اس مسئلہ پر صبر کی تلقین کی تھی اور کہا تھا کہ۔
سُنی کے لئے اس مسئلہ پہ صبر کے سوا چارہ نہیں تو اس کی کئی معقول
وجوہات ہیں، شیعہ نے تاریخ کا ہر سرد و گرم دیکھا اور زندہ رہا،
بڑے بڑے صاحب جبروت بادشاہ گزر گئے مگر اس فرقہ نے (بنیادی
طور سے) اپنی روش نہیں بدلی۔ خود اپنے برصغیر کی مثال لے لیجئے۔
اورنگ زیب جیسا کٹر سُنی مسلمان، قاطع شرک و بدعت، جس نے
اپنے مذہبی جذبات کے آگے سیاست چھوڑ کر (جو کہ اکبر اعظم کا ورثہ
تھا) تشدد سے حکومت کی۔ جب تک زندہ رہا شیعہ خاموش رہے
(ان کی خاموشی بولنے سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے) جب مر گیا تو پتہ
چلا کہ خود اس کا اپنا بیٹا شیعہ ہو چکا ہے اور یہی بیٹا عالمگیر کے مرنے کے
بعد تخت نشین ہوا، پھر آگے کیا ہوا، دنیا نے دیکھ لیا، سادات
برادران بادشاہ گر بن گئے اور پھر برصغیر میں کئی خود مختار شیعہ ریاستیں
وجود میں آگئیں۔ یہ تھا تشدد کا نتیجہ۔

بھائی! یہ آپ کس بات کو مسئلہ بنا رہے ہیں، سمجھے نہیں

تولّا[1] اور تبرّیٰ ہی تو اس فرقہ کا امتیاز ہے، اس کی شناخت ہے - یہ
کیسے اپنی شناخت کو ختم کردے ـــــ تو پھر آپ کہیں گے
کہ ہم گالیاں کب تک کھائیں۔ اپنے بزرگوں کی توہین کیسے برداشت
کریں تو عرض ہے کہ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور اپنے مولوی کے بھڑکانے
میں نہ آئیے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے - شیعہ کو تو صدیوں کے
جبر نے اپنی بات بڑے سلیقہ سے کہنے کا فن سکھا دیا ہے اور پھر یہ
گفتگو کسی چوراہے پر نہیں ہوتی - امام بارگاہوں میں ہوتی ہے -
بالنسٹر پارک میں - اگر قرب وجوار کے مکینوں کے کان میں کچھ الفاظ
پڑ جاتے ہیں تو یہ دل دکھانے کے لئے کافی نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ
(جیسا ہم عرض کر چکے ہیں) ذاکرین اشارہ کنایہ میں بات کہنے کے عادی
ہیں جسے صرف وہی سُنّی سمجھ سکتا ہے کہ جو شیعہ ذہن سے واقف
ہو - مجالس کا مزاج سمجھتا ہو اور اہم تاریخی واقعات بھی اس کے علم
میں ہوں - چنانچہ صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ جو مجلس میں جائے
گا - وہ سنے گا - تو پھر!

'جس کو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں'

اب رہی گھر بیٹھے یا راہ چلتے کانوں میں کچھ پڑ جانے کی بات تو اشارے
اشارے میں کہی جانے والی بات اس طرح سے سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ

---

[1] - محمد و آل محمد سے محبت (چہاردہ معصومین)

دل دُکھے اور اگر کوئی ناگوار فقرہ کانوں میں پڑ جائے تو اسے اچھال کر خونریزی تو مناسب نہیں ۔ بہر حال شیعہ سے اسکی توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی مجالس کی رونق ختم کر دے گا۔ محبت کی شناخت ۔ نفرت کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ محبوب کا ذکر بغیر رقیب روسیاہ کے ناممکن ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہابیل کا ذکر تو کیا جائے اور قابیل کو فراموش کر دیا جائے ۔ موسیٰ کا ذکر ہو اور فرعون کا ذکر نہ ہو۔ ابراہیم کا ذکر کریں اور نمرود کو بھول جائیں ۔ عیسیٰ کا ذکر آئے اور اسے مصلوب کرنے والوں کا ذکر نہ آئے ۔ محمدؐ کا ذکر ہو اور ابوجہل و ابولہب و ابوسفیان کی باتیں نہ ہوں ۔

مجالس میں جب کسی کی بہادری کا ذکر ہوگا تو کسی کی بزدلی کا ذکر بھی ہوگا ۔ جب میدان جنگ میں کسی کی ثابت قدمی کا ذکر ہوگا تو کسی کے فرار کا ذکر بھی ہوگا ۔ جب باب العلم کا ذکر ہوگا ، تو باب العلم کے خوشہ چینوں کا بھی ذکر ہوگا اور اس سے روگردانی کرنے والوں کی بھی نشاندہی کی جائے گی ۔ جب اطاعت رسول کی بات نکلے گی تو اس کا بھی ذکر ہوگا کہ جس نے آنکھ بند کر کے اطاعت رسول کی اور کامل اطاعت کی اور اس کا بھی حوالہ دیا جائے گا کہ جسے اطاعت کامل کا دعویٰ تو تھا مگر اطاعت کا صحیح تصور تک نہ تھا ـــــــ ان مجبوریوں کے علاوہ بات اصولی بھی ہے کیونکہ شیعہ کے ہاں امامت کا مسئلہ اصول دین میں شامل ہے اور امامت

منصوص من اللہ سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی مسئلہ کی وجہ سے رسول کے صحابہ دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اب جس نے بھی اس اصول سلسلہ امامت کی مخالفت کی اور خلافت ظاہری پر قبضہ کر لیا۔ یا وہ تمام لوگ کہ جو کسی بھی حیثیت سے امام برحق کے مقابلہ پر آئے اور انھیں اور ان کے اہل خانہ کو کسی بھی طرح دکھ پہنچایا تو وہ شیعوں کے نزدیک اس قابل کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کا ذکر خیر سے کیا جائے۔

شیعہ طالب علم اسکول میں، کالج اور یونیورسٹی میں تو یہ پڑھتا ہے کہ بعد وفات رسول فلاں فلاں صاحب خلیفہ رسول بنے۔ فلاں صاحب سیف اللہ تھے۔ فلاں صاحب فاتح ایران تھے۔ فلاں صاحب فاتح مصر تھے۔ فلاں فلاں نے قرآن جمع کیا تھا اس طرح سے ان کی عظمت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی جائے تو کیا شیعہ علماء کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ان باتوں سے آگاہ کریں کہ جو ان کے نزدیک صحیح ہیں جبکہ ان باتوں کا بلاواسطہ اور یا بالواسطہ تعلق شیعہ کے اساسی عقائد سے ہے (تفصیل پہلے آچکی ہے) ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ اپنے عقائد کا اظہار اس طرح سے نہ کریں کہ کسی کے جذبات مجروح ہوں تو اس سلسلہ میں ہم پہلے ہی صحیح صورت حال پیش کر چکے ہیں۔ اب رہی وہ صورت کہ جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ایک نوجوان شیعہ خطیب جناب علامہ

عرفان حیدر عابدی اپنے عقائد کا نسبتاً کھل کے اظہار کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کا تند و تیز لہجہ بعض حضرات کو گراں گزرتا ہوگا۔ یقیناً ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر۔

؎ کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

کچھ تو موصوف ملنگ ٹائپ ہیں اور پھر جوان خون۔ لہٰذا محبت میں جنوں کے آثار تو شروع ہی سے ہیں اور دیوانہ بنا دیا کراچی کی اس فضا نے کہ جو برسوں سے شیعہ کے خلاف تیار کیجا رہی ہے۔ اس فضا میں تقریباً آٹھ سال سے نکھار آنا شروع ہوا، سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا اور پچھلے سال محرم میں پورے شباب پر تھی اور اس شباب کی کارستانیاں پچھلے دنوں سامنے آگئیں۔

اگر یہ فضا ختم کر دی جائے۔ حکومت ان عناصر کو لگام دے کہ جنہوں نے یہ فضا تیار کی ہے تو یقیناً علامہ موصوف بھی احتیاط سے کام لینگے۔

یہ فضا جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اس پر تفصیل سے روشنی اگلے باب میں ڈالی جائے گی۔ اب ہم بقیہ شکایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۳ ۔ ماتمی جلوس: کہتے ہیں کہ ان جلوسوں میں تبرّا بازی ہوتی ہے، اشتعال انگیز نعرے لگائے جاتے ہیں اور ٹریفک

ہیں خلل پڑتا ہے۔ تو بھائی ٹریفک میں خلل کی بات تو محض زیب داستان کے لئے ہے۔ اصل پریشانی تو کچھ اور ہے۔ ہم لوگ اتنے مہذب کب سے ہو گئے؟ جب صدر مملکت کے لئے دو گھنٹہ راستہ بند ہو سکتا ہے۔ صرف فوجی پریڈ کی ریہرسل کے لئے صبح کے مصروف اوقات میں کئی دن تین تین چار گھنٹہ کے لئے مزار قائداعظم والی سڑک بند ہو سکتی ہے۔ میلادالنبی کے جلوسوں کے لئے پورے شہر کے ٹریفک کا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قوالیوں کے لئے۔ میلادالنبی کے جلسوں کے لئے ہم جس سڑک پر چاہتے ہیں قناتیں لگا دیتے ہیں اور بعض دفعہ تو یہ بھی نہیں سوچتے کہ کس کس کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ کوئی بیمار ہوا تو دروازے تک سواری کیسے آئے گی۔ چلئے یہ تو مذہبی نوعیت کے جلسہ جلوسوں کی بات تھی۔ پھر سیاسی جلسہ جلوس۔ کیا یہ جلوس (جمہوری دور میں) کبھی اس طرح نکلے ہیں کہ جیسے مہذب دنیا میں نکلتے ہیں۔ کیا ان سے کبھی ٹریفک میں خلل نہیں پڑتا ——— آپ یہ سب کچھ تو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے ہیں۔ حسینؑ ابن علی کے جلوس کو بھی برداشت کر لیجئے۔

رہی تبرّا بازی اور اشتعال انگیز نعروں کا سوال تو عرض ہے کہ جلوس میں بھی وہی نعرے لگتے ہیں جو مجلس میں لگتے ہیں یعنی نعرہ حیدری، درود بر محمدؐ و آل محمدؐ۔ حسینیت زندہ باد اور یزیدیت مردہ باد۔ اس کے علاوہ اور کوئی اشتعال انگیز نعرہ

نہیں لگتا - اگر ان نعروں سے کسی کی طبیعت میں اشتغال پیدا ہو تو
اسکے لئے شیعہ بے قصور ہیں کیونکہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت ان
نعروں کا برا نہیں مان سکتی ________ ہاں یہ بات ضرور
ہے کہ اگر جلوس فساد کا شکار ہو جائے اور مجمع بے انتہا مشتعل
ہو جائے تو کبھی کبھار کسی نوجوان کے منہ سے قابل اعتراض نعرے
بھی نکل جاتے ہیں - مگر فوراً ہی خود شیعہ روک تھام کر دیتے
ہیں -

۴ - شب بیداری :- شب بیداریوں کے سلسلہ
میں یہ شکایت کہ ان میں لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوتا ہے اور یہ
سلسلہ ساری ساری رات جاری رہتا ہے - اصولی طور سے بجا ہے
بیشک ایسا نہیں ہونا چاہیئے ـــ مگر یہ شکایت بھی تہذیب و
انسانیت کے تعلق سے کی جاتی ہے اور اسمیں شیعہ رسوم عزاداری
سے بیزاری کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے - ورنہ اسی شہر میں ساری
ساری رات قوالیاں بھی ہوتی ہیں اور ورائٹی شو بھی - جس میں
فحش گانے اور انتہائی ہنگامہ خیز موسیقی ہوتی ہے اور یہ سب
کچھ لاؤڈ اسپیکر ہی پر ہوتا ہے مگر کوئی تہذیب و انسانیت
کے نام پر یہ نہیں کہتا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے ؟
اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کبھی کبھی یہ بھی دیکھا گیا
ہے کہ بعض لوگ محض حماقت کی وجہ سے نوحے اور مرثیوں کے

کیسٹ رات اور دن کا امتیاز کئے بغیر لاؤڈ اسپیکر پر لگا دیتے ہیں گو کہ یہ بہت کم ہوتا ہے ۔ مگر ہوتا ہے ۔ اور ایسے ہرگز نہیں ہونا چاہیئے ۔

۵ ٹی وی، ریڈیو پر محرم کے پروگرام

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ان پروگراموں پر اعتراض صرف ناصبی، دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کو ہو سکتا ہے ۔ عام سنی حضرات کو نہیں ۔ بہرحال یہ اعتراض جبکہ بھی ہے انصاف کے منافی ہے ۔ یہ دونوں قومی ادارے ہیں ۔ کسی فرقے کے نہیں ۔ شیعہ تو مسلمانوں کا ایک بڑا فرقہ ہے ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس ملک میں بسنے والے تمام شہریوں کے مذہبی تہواروں کو ٹی ۔ وی اور ریڈیو پر صحیح نمائندگی ملنا چاہیئے ۔ ہاں اگر سرے سے مذہبی پروگرام بند ہی کر دیئے جائیں تو بات اور ہے ۔

۶ تعلیمی اداروں میں یوم حسین : تعلیمی اداروں

میں یوم حسین منانے پر پابندی کا مطالبہ بھی وہی عناصر کر سکتے ہیں کہ جو ریڈیو اور ٹی وی کے سلسلہ میں یہی مطالبہ کر رہے ہیں ۔ یہاں بھی ہم یہی کہیں گے کہ یہ مطالبہ بھی انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے ۔ بلکہ بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بدترین مثال ہے ۔ اگر دوسرے یوم منائے جا سکتے ہیں تو یوم حسین (سانحہ کربلا کی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے) سب پر مقدم ہے، اور پھر یہ

کہ یوم حسین طلبہ اپنے وسائل سے مناتے ہیں اور کوئی جبر نہیں ہے جسکا دل چاہتا ہے شریک ہوتا ہے ۔ یہ "یوم" انتہائی پر سکون طور سے منائے جاتے ہیں کیونکہ وہاں تعلیم یافتہ نوجوان ہوتے ہیں ۔ اور شیعہ سنی اور بعض اوقات غیر مذاہب کے علماء و دانشور عاد کئے جاتے ہیں ۔ یہاں شیعہ فرقہ کا مخصوص رنگ نہیں ہوتا اگر یوم حسین بند کرانے کا مطالبہ کرنے والے خالص تعلیمی فضا میں فرقہ واریت کا زہر گھولنا چاہتے ہیں اور نوجوانوں کو لڑوانا چاہتے ہیں تو اور بات ہے ۔

اب ہم ایک خاص مطالبہ کا جواب آخر میں دے رہے ہیں اور یہ مطالبہ ہے کہ شیعہ امام بارگاہیں اور مساجد سنی اکثریتی علاقہ سے ہٹا دی جائیں ـــــــ تو بھائی چند گنتی کے علاقوں کے سوا ہر جگہ آپ کی اکثریت ہے ۔ اکثریتی علاقوں میں رہنے والے شیعوں کو اتنی تکلیف نہ دیجئے کہ بیچارے میلوں کا سفر کرکے اپنی اکثریت والے علاقہ میں پانچ وقت کی نماز ادا کریں ۔ کوئی مر جائے تو سوئم و چالیسویں کی مجالس کے لئے میلوں کا سفر طے کیا جائے اور پھر امام بارگاہوں کی کمی کی وجہ سے فاتحہ خوانی کی مجالس کے لئے جگہ کی بکنگ میں دشواری ہونا یقینی امر ہے کیونکہ اب بھی بعض اوقات یہ صورت حال پیش آجاتی ہے ۔ اور پھر محرم کے عظیم اجتماعات چند امام بارگاہیں کیسے قبول کریں

گی ۔ یقیناً مجمع سڑکوں پر آئے گا ـــــ اور پھر آپ کو شکایت ہوگی ۔

ایک تو یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا نہیں اور اگر کوئی ایسا بھیانک وقت آبھی گیا تو آپ سوچئے کہ آپ کو کتنی زحمت کرنا پڑے گی ۔ آپ کو آپ ہی کے اصول کے تحت تمام عیسائی اور اشتراکی دنیا سے اپنی مسجدوں کو سمیٹنا پڑے گا اور یہ کام آپ کو رضا کارانہ طور سے خود کرنا پڑے گا ۔ کیونکہ ایسے کام مہذب قومیں نہیں کیا کرتیں ۔

اب ہم نے سُنّی حضرات کی تمام پریشانیوں کا جائزہ لے لیا ہے اور اگلے باب میں ہم ان حالات کا جائزہ لیں گے جن کی وجہ سے کراچی کی فضا مکدر ہوئی ۔

تیسرا باب

شیعہ آزار و اشتعال

ذوقِ فساد و ولولۂ شر لئے ہوئے
سرِ عصر نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے

جوش ملیح آبادی

ہم اس باب میں سب سے پہلے ناصبیوں اور دیوبندیوں کی چند کتابوں میں سے کچھ اقتباسات پیش کریں گے۔ دیوبندی اور اہلحدیث تو جانے پہچانے نام ہیں مگر ناصبی کے نام سے بھی بہت کم مسلمان واقف ہیں۔ لہذا ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ان بدمعاشوں سے آپ کو متعارف کرا دیں۔ ہم ان کا تعارف مولانا ملک غلام علی صاحب کی زبانی کراتے ہیں۔ آپ اپنی کتاب "خلافت ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ناصبی اسکو کہتے ہیں جو حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت سے بغض و عناد اپنا جزو ایمان سمجھتا ہو۔ لصب کی زبان میں دائمی حسد اور مستقل بغض اور عداوت کا

دوسرا نام ہے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہوا وہ بلا شبہ نفاق کی زد میں ہے"

آگے چل کر ملک صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب کے الفاظ:

"در بخاری روایت از مروان آمدہ است باوجودیکہ او نیز از جملہ نواصب بلکہ رئیس آن گروہ شقاوت پژوہ بود۔ لیکن مدار روایت بخاری بر امام زین العابدین است و سند او منتہی بالشان"

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۹ کید ہفتاد دوم طبع ۱۲۸۶ھ)

ترجمہ اردو: ہاں بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے باوجودیکہ وہ نواصب میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ اور سرگروہ۔ لیکن اس روایت کا مدار امام زین العابدین پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے"

(خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ طبع سوم ص ۹۱)

چنانچہ ثابت ہوا کہ ناصبیوں کا مورث اعلیٰ مروان بن حکم تھا اور پاکستان میں فتنہ ناصبیت کا بانی محمود احمد عباسی تھا۔

ملک غلام علی صاحب اسی کتاب کے ص ۱۳۳ پر فرماتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ ناصبیت جارحہ جسے ہمارے بعض علماء اور اہل مدارس تقویت بہم پہنچا رہے ہیں۔ یہ ناصبیت خارجیہ سے بھی بازی لے گئی ہے۔ بہرحال ناصبیت کے علمبرداروں کی یہ جرأت نہیں

تھی کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے انعقاد کا علی الاعلان انکار کرتے یا ان کی سیرت کو داغدار کرکے پیش کرتے۔ اس لئے وہ بس امیر معاویہ کے فضائل و مناقب میں مبالغہ آمیزی کرنے پر اکتفا کرتے تھے چنانچہ شیخ محمد بن احمد سفارینی اپنی تصنیف لوامع الانوار البہیہ میں امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔

اردو ترجمہ: "میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے حضرت علی اور حضرت معاویہ کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت علی کے دشمن بہت تھے۔ انہوں نے حضرت علی میں کوئی نقص تلاش کیا مگر نہ پا سکے۔ تو یہ لوگ ایک ایسے شخص (یعنی امیر معاویہ) کی طرف متوجہ ہوئے جس نے حضرت علی سے جنگ و جدال کیا تھا۔ اور ان اعدائے علی نے امیر معاویہ کی تعریف بڑھا چڑھا کر کی جو حضرت علی کے خلاف ایک چال تھی۔"

(لوامع انوار البہیہ الجز الثانی ص ۳۴۹ طبع ۱۳۸۰ھ)

ابھی ہم ناصبی کتابوں سے اقتباسات پیش کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا ملک غلام علی صاحب نے نواصب کا تعارف کتنا نامکمل کرایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جدید نواصب قدیم نواصب سے بڑھ گئے۔ قدیم نواصب کو علیؑ میں نقص نہ ملتا تو وہ ان کے دشمن کی تعریف میں مبالغہ کرتے مگر جدید نواصب حضرت علی کی سیرت کو داغدار بنا

کرنا چاہتے ہیں مگر کوئی نقص نہیں ملتا تو جھلاہٹ میں انتہائی گستاخانہ زبان استعمال کرتے ہیں اور ایسی بھونڈی دلیلوں کو کام میں لاتے ہیں کہ ہر شخص ان کا بھونڈا پن عیاں ہو جاتا ہے۔

تاریخ سے حوالہ دیتے ہیں تو اس میں بددیانتی کرتے ہیں سیاق و سباق سے بے پرواہ ہو کر اپنے مطلب کی بات نکال کر بڑی ڈھٹائی سے پیش کر دیتے ہیں۔ اگر ان کی باتوں میں ذرا سا بھی تحقیقی عنصر ہوتا تو ہمیں (ذاتی خباثت سے) صبر آجاتا۔ ان ناصبیوں کی بدزبانی صرف علیؑ کی ذات تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے اولاد علی و فاطمہ، صحابہ کرام، صوفیائے عظام اور محدثین کے ساتھ بھی انتہائی گستاخانہ لب و لہجہ استعمال کیا ہے۔

سب سے پہلے ہم حضرت علی کے بارے میں اس شخص کی کتابوں سے حوالہ پیش کرتے ہیں کہ جسے محمود احمد عباسی کا شاگرد رشید ہونے پر فخر ہے۔ جس کا نام عزیز احمد ہے۔ یہ شخص بدزبانی اور بددیانتی میں اپنے استاد کو بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ حضرت علی کے بارے میں:

"حضرت علی علم و دانش میں کچھ بھی مرتبہ رکھتے ہوں مگر نوشت خواند سے بخوبی واقف نہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ نہ رسول کے کاتب وحی کا کام کر سکے نہ خلفاء نے جمع قرآن کمیٹی کا ممبر بنانے کا خیال کیا ہے۔" (سبائی سبز باغ صفحہ ۸۷)

حالانکہ مورخین نے حضرت علی کو کاتبین وحی کی فہرست میں بالاتفاق شامل کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ بھی حضرت علی نے ہی تحریر کیا تھا۔ اس پر بھی مورخین کو اتفاق ہے۔ مگر اس بدبخت مصنف نے مورخین کو بغیر کسی تاریخی حوالہ کے جھٹلایا ہے۔

دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو:

"حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابہا" کسی مسخرے کی گھڑی ہوئی ہے ۔ (سبالی سبز باغ)

اس حدیث کی تکذیب میں راویوں کے سلسلہ اسناد پر کسی قسم کی بحث نہیں کی ہے۔ کیونکہ یہ ایک علمی کوشش ہوتی اور یہ مصنف کے بس سے باہر تھا۔ لہٰذا اس نے بغیر کسی بحث کے محض مذاق اڑانے والا انداز اختیار کیا ہے۔

اپنے ایک اور مجموعہ خرافات میں بھی مصنف حضرت علی کے خطابات کا مذاق اڑاتا ہے۔ ہم صرف ایک کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حضرت علی کو شیر خدا بنانے کے لئے بہت سی حدیثیں بنائی گئی ہیں۔ ایک جگہ کہا گیا ہے کہ ان کی ماں نے نانا کے نام پر ان کا نام اسد رکھا تھا۔ ابوطالب نے اسے بدل کر علی کر دیا۔ مگر ماں اسد ہی پکارتی رہی۔ عجمی مجوسیوں نے بھی ان کو اسد بلکہ اسد اللہ پکارنا شروع کر دیا (ارمغان مجھلے)

اس سگ خارش زدہ نے شمائل مرتضوی کا عنوان قائم کر کے "سبائی باغ" کے صفحہ ۱۶۴ پر حضرت علی کی شکل و صورت کے بارے میں وہ وہ الفاظ لکھے ہیں کہ ہمیں انہیں دہرانے کی ہمت نہیں ہے۔ آگے چل کر صفحہ ۱۶۶ پر اپنی مجمل گفتگو کے دوران میں اس نے حضرت علی پر ایک فقرہ کسا اس فقرہ کو پڑھ کر اچھی طرح سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ فقرے کیا ہونگے کہ جنہیں ہم نقل کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے، ملاحظہ ہو۔

"مگر یاد رہے۔ شیر خدا صاحب کا قد صرف ۴ فٹ تھا اور آپ کے دونوں پاؤں ٹیڑھے تھے۔"

(سبائی سبز باغ صفحہ ۱۶۶)

اب ہم برصغیر کے ایک اور بدنام ناصبی مرزا حیرت دہلوی کی کتاب "شہادت" سے چند اقتباسات نقل کریں گے۔ یہ کتاب سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۳ء میں دہلی سے چھپی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد محمود احمد عباسی کے اسی شاگرد نے مرزا حیرت کی اس مردہ کتاب "کتاب شہادت" کو سنہ ۱۹۷۶ء میں دوبارہ کراچی سے شائع کیا وہ اس کتاب میں عرض ناشر کے تحت لکھتا ہے کہ:

"اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے خلیفہ بلا فصل (بے طوسم کے) اور شیر خدا (وشنوجی) کے مرتبہ کے بزرگ حضرت علی کے گفتنی حالات بھی پیش کر دیں جو مرزا حیرت دہلوی نے بڑی محنت سے جمع کئے تھے۔"

(کتاب شہادت۔ صفحہ ۱۲۴)

"بلا فصل کا ترجمہ طنزاً دیے ہوئے سم کے" اور شبیر خدا کا ترجمہ و تشریح" کیا۔ چنانچہ ہم بھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلا فصل کی وضاحت کرتے چلیں۔ شیعہ حضرت علی کے لئے یہ اصطلاح محض اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ آپ سے خلافت ظاہری چھین لی گئی مگر اصل خلافت کہ منصوص من اللہ تھی اسکی عطا اور اس سے محرومی انسان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ لہٰذا رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی بغیر کسی فصل یعنی وقفہ کے حضرت علی خلیفہ بن گئے۔ مگر بعض سنیوں نے شیعوں کو چڑانے کے لئے چند سال سے حضرت ابوبکر کے ساتھ خلیفہ بلا فصل لکھنا شروع کر دیا۔ مگر کم فہموں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ اصطلاح حضرت ابوبکر کے ساتھ ہر اعتبار سے بے معنی ہے ـــــ ان کی خلافت تو جب قائم ہوئی کہ جب لوگوں نے بیعت کر لی۔ اور اس پر سب کو اتفاق ہے کہ اس میں تین دن سے کچھ کم یا کچھ زیادہ کا وقت لگا۔ چنانچہ جتنا بھی وقت لگا وہ "فصل" شمار ہوگا۔ تو پھر خدا معلوم حضرت ابوبکر بلا فصل خلیفہ کیسے ہو گئے۔

اب ہم کتاب "شہادت" سے مرزا حیرت دہلوی کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

"بلا قیل و قال ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی مثل اور علیل کے بہت بہادر، جری اور شمشیر باز تھے اور تنہا تنہا ان سے دشمن نے مقابلہ کیا تو اکثر اوقات آپ ہی غالب رہتے تھے۔ آپ

شمشیر بازی کے فن میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور آپ میں تنہا لڑنے کی پوری قابلیت تھی۔ جس طرح رسول اللہؐ کے اور صحابہ کو شجاعت اور بے جگری کا حصہ ملا تھا ـــــ مگر کثیر التعداد فوج تو ایک طرف رہی۔ آپ میں قلیل التعداد فوج کے کمان کرنے کی بھی قابلیت نہ تھی"

(کتاب شہادت۔ از میرزا حیرت دہلوی ص ۲۵۶)

"بدر کے حالات کے خاتمہ پر ہم حضرت علی کی شجاعت اور سپہ گری کی دل سے تعریف کرتے ہیں کہ وہ جن مخالفوں سے لڑے انہیں نیچا دکھایا یا قتل اور سپاہیوں نے کئے"

(کتاب شہادت۔ از میرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۴)

بہت پرانی کہاوت ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ باوجود بغض کے علیؑ کی شجاعت کا اعتراف کرنا پڑا۔ مگر پھر علی دشمنی کے جذبہ نے کروٹ لی (خط کشیدہ فقروں پر غور کیجئے) جملہ ملاحظہ ہو۔ "تنہا تنہا مقابلہ میں اکثر اوقات آپ ہی غالب رہتے" حالانکہ ہر جنگ گواہ ہے کہ "اکثر اوقات" نہیں بلکہ ہمیشہ ہر انفرادی مقابلہ میں علی ہی غالب رہے۔ اہم ترین مقابلہ جو ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ احد میں ولید بن عتبہ خیبر میں مرحب اور احزاب میں عمرو علی کے مدمقابل ہوئے اور زبردست مقابلہ کے بعد مارے گئے۔ مگر مصنف نے "اکثر اوقات" لکھ کر بڑی فنکاری سے حضرت علی کی مہارت حرب و ضرب و شجاعت کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرا قابل غور

نکتہ یہ ہے کہ "مثل دوسرے صحابہ کے" ۔ یعنی علی کی شجاعت میں کوئی خاص بات نہ تھی ۔

جہاں تک فوجوں کی کمان کا تعلق ہے اسکے لئے "جمل اور صفین" کی مثالیں کافی ہیں کہ علیؑ نے ہزاروں کے لشکر کی کن حالات میں کمان کی ۔ اب اسی مصنف کی ایک اور دلچسپ تحریر:

"حضور انور کو بھی یہ علم ہو گیا کہ اب آسانی سے اہل قلعہ اطاعت قبول کر لیں گے تو آپ نے محض دلدہی کے لئے حضرت علی کو بھیج دیا کیونکہ ایسے موقعوں پر حضرت علی کو خواہ مخواہ ایک وجہ شکایت پیدا ہو جاتی تھی کہ مجھے کچھ بھی نہیں سمجھا گیا اور کسمپرسی کی حالت میں ڈال رکھا ہے ۔ حضور انور کو یہ بہت بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں علی کی دل آزاری فاطمۃ الزہرا کی تکلیف دہی کا باعث نہ بن جائے اس لئے بعض اوقات ایسی باتیں کر کے حضرت علی کو خوش کر دیا کرتے تھے ۔"

(کتاب شہادت صفحہ ۳۳۹)

ملاحظہ فرمائی! مصنف کے تخیل کی پرواز کہ کس طرح فاتح خیبر علیؑ کا تاریخی کردار ذہن سے نکال کر ایک اچھوتا تصور دیا اور پھر دختر رسول کو ایذا پہنچانے کا ٹکڑا لگا کر حضرت علی کو بالکل ادنیٰ درجہ کے انسان کی ذہنی سطح پر لانے کی کوشش کی ہے ۔ اب اسی مصنف کی طنز و مزاح سے بھرپور عبارت ملاحظہ فرمائیے

"جب تک علیؑ زندہ رہے جبرئیل بیچارے کو تو ایک دم بھی آسمان پر آرام نہیں ملا۔ اور اس مظلوم فرشتہ کو دنیا بھر کے کام کرنے پڑے۔ آٹا جبرئیل نے گوندھا۔ روٹی جبرئیل کو پکانا پڑی۔ چکی جبرئیل کو پیسنی پڑی۔ کپڑے جبرئیل کو سینا پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ جبرئیل کا اس مصیبت سے چھٹکارا تو حضرت علی کے قتل ہونے پر ہوا۔ وہ بیچارا عبدالرحمن ابن ملجم کو ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں دیتا ہوگا کہ محض اسکی چھری نے جبرئیلؑ کی اس مصیبت کو کاٹ دیا۔"

(کتاب شہادت ص ۳۳۸)

اب ذلیل توہین علیؑ میں جناب رسول خدا کی اہانت کرنے کی کوشش ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت علی کی کوئی وقعت دراصل حضور انور کی نظروں میں نہ تھی یہی وجہ تھی کہ حضور نے کبھی انہیں نہ کسی بڑے کام پر متعین فرمایا نہ زیادہ اپنی حضوری کا شرف بخشا۔ حضور انور نے چونکہ آپ کو بچہ سا پالا تھا۔ دوسرے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی آپ سے کردی تھی اس لئے آپ کی دل آزاری اور نازیبا حرکات سے چشم پوشی فرمایا کرتے تھے تو بھی بحیثیت انسان آپ کو صدمہ بہت ہوتا تھا۔"

(کتاب شہادت ص ۳۸۵)

اس کمینہ فطرت کے انسان نے اپنی کتاب میں بہت سی جگہ موقع بے موقع اس فقرے کا استعمال کیا ہے کہ "حضرت علی کی کوئی وقعت

حضور انور کی نظروں میں نہ تھی "

اس قسم کی ایک اور ہرزہ سرائی :

"انصار اور مہاجرین میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے ان کی کوئی وقعت نہ تھی اسی طرح حرص و آز اور نازیبا خواہشات پر رسول کریم ان سے ہمیشہ ناراض رہے۔ عادتیں اس قسم کی تھیں کہ حضرت خاتون محشر ایک دن بھی اپنے شوہر سے خوش نہیں ہوئیں "

(کتاب شہادت ص ۳۹۱)

اس کی نظر میں حضرت علی کا قتل بھی قابل معافی ہے۔ ملاحظہ ہو:

" اگر چند مسلمانوں نے سازش کی ہو اور اس قہرناک آفت کو ہٹانے کے لئے عبدالرحمن کو تجویز کیا گیا ہو تو تاریخ اس کی معذرت قبول کرنے کو تیار ہے "

(کتاب شہادت)

اب آخر میں چند دلچسپ اقتباسات :

" اگرچہ حضرت علی اچھے منتظم، اچھے سپہ سالار، اچھے مقنن نہیں تھے مگر بھی نیک نیت ضرور تھے اور جو کچھ کرتے تھے اپنے خیال میں حق سمجھ کر کرتے تھے۔ خواہ دراصل وہ غلط فہمی پر کیوں نہ ہوں۔ جو غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں وہ محض انسانیت کا تقاضا تھا "

(کتاب شہادت ص ۴۰۱)

" دوستو وہ وقت آگیا ہے کہ ان بزرگان دین کو اس تاریکی اور غلاظت سے نکال لیا جائے اور دکھایا جائے کہ حضرت علی اور دوسرے

صحابہ مثل سگے بھائیوں کے شیر و شکر تھے۔ اور کبھی ان میں مطلق تشکر رنجی بھی نہیں ہوئی۔"
(کتاب شہادت صفحہ ۳۹۰)

"بیعت کرنے کے بعد آپ ابوبکرؓ کے صادق دوست بن گئے آپ بحیثیت مشیر سلطنت کا کام کرتے رہے۔ آپ کو بیت المال سے معقول معاوضہ ملتا رہا۔ آپ چونکہ منافق نہیں تھے۔ لہٰذا اخیر تک صدق مقال سے نبھا دی۔ مثل علی کم لوں کے آپ کی طبیعت میں کچھ آزادی تھی۔ اور جو رائے آپ سے لی جاتی تھی آپ آزادی سے اور صفائی سے دیدیا کرتے تھے۔ مگر اکثر اوقات آپ کی رائے غلطی پر مبنی ہوتی تھی"
(کتاب شہادت۔ صفحہ ۳۸۸)

اب رہا بعض معاملات میں اختلاف، حضرت علی کی طبیعت اور اسکے خاصہ سے بعض امور کا پیدا ہو جانا بنیاد دشمنی ہرگز نہیں ہو سکتا"
(کتاب شہادت صفحہ ۴)

کتنی عجیب بات ہے کہ ایسا دشمن علی کہ ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ علیؑ کی "نازیبا حرکات" (معاذ اللہ) انکی "حرص و آز" (معاذ اللہ) وہ "رسول کی نظروں میں بے وقعت" "مہاجر و انصار کی نظروں میں بے وقعت" ان کے "جرائم ایسے کہ نا قابل معافی (معاذ اللہ) اور پھر ان اقتباسات میں الفاظ "نیک نیت۔ حضرت ابوبکر کا مشیر بزرگ تو دین"، دوسرے صحابہ سے مثل سگے بھائیوں کے شیر و شکر کہا ہے۔ بغض و عناد سے پاک کہا ہے۔ صحابہ سے اختلافات کو

وقتی کہا ہے اور پھر خود ہی اس کتاب کے ط۳ ۴ پر حضرت علی کو (بدالفاظ میں) اصلی قاتل عمر قرار دینے کی کوشش کی ہے اور ط ۴؟ پر حضرت عثمان کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

اس مصنف کو یقیناً کسی نفسیاتی بیماری کا شکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک یہ بھی حقیقت سامنے آگئی کہ وہ شخصیت کہ جو مثل آفتاب درخشاں ہو۔ اس پر بیہودہ گوئی کرنے والا لکھتے وقت کتنے کٹھن مراحل سے گزرتا ہے۔

اب ایک نئے ناصبی نذیر احمد شاکر کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو اسکی کتاب "شمائل علیؑ" ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی جسے مکتبہ جاء الحق نے ۱۶/۴ مسلم لیگ کوارٹرز سے شائع کیا گیا۔ اس کا ناشر بھی وہی بد نصیب عزیز احمد صدیقی ہے کہ جسکی تحریروں کے چند نمونے ملاحظہ فرمائے جا چکے ہیں۔ مگر سب سے پہلے ہم عزیز احمد کا فقرہ لکھیں گے کہ جو اس نے اپنی کتاب میں 'بت شکن' کے عنوان سے اپنی اوٹ پٹانگ گفتگو کے دوران لکھا ہے۔

"بد قسمتی سے حضرت علی ایک کمزور اور مغرور فرد ہونے ہوئے بھی محض اپنے پیدرستی، وراثہ کی بنیاد پر اقتدار اور لیڈری کے خواب دیکھتے تھے"۔ (شمائل علی - از نذیر احمد شاکر ص ۹)

آپ پچھلے اقتباسات میں پڑھ چکے ہیں کہ اس کے روحانی استاد استاد میرزا حیرت دہلوی نے (بادل ناخواستہ) حضرت علی کی انتہائی

شجاعت اور مہارت حرب و ضرب کو تسلیم کیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ منافقانہ ٹانکہ بھی لگا دیا کہ "مثل دوسرے صحابہ کے"۔ نذیر احمد شاکر کی جرأت دیکھئے کہ علیؑ کو کمزور اور بھگوڑا قرار دے دیا"۔ اس سے پہلے آپ کی ذات گرامی پر یہ شخص جو فقرہ کس چکا ہے وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ اب افواج پاکستان کا فرض ہے کہ یا تو نذیر احمد صدیقی کو معزول کر دے اور اس کے بیج اڑھے کر دے یا اپنا ہیرو کسی اور کو تسلیم کر کے بہادری کے اعلیٰ ترین اعزاز "نشانِ حیدر" کو تبدیل کر دے۔

اب آپ کتاب کے مصنف نذیر احمد شاکر کے کمالات دیکھئے اور اس کے ذہن رسا کی داد دیجئے کہ آج تک جن باتوں کو فضائل علیؑ سمجھا جاتا رہا ہے انہیں اس نے رذائل کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جنہیں خوبیاں سمجھا جاتا تھا انہیں برائیوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ ہے علی دشمنی کی اچھوتی مثال۔

ہوا یہ کہ جنگ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے تین سورماؤں نے لشکر اسلام کو للکارا۔ فوراً ہی تین انصار اٹھ کھڑے ہوئے مگر کفار نے انہیں اپنے برابر کا نہ سمجھتے ہوئے ان سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے علیؑ، حمزہ اور عبیدہ کو بھیجا عبیدہ عتبہ سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ولید اور عتبہ کو علیؑ نے اور شیبہ کو حمزہ نے قتل کیا۔ اب اس ناصبی کا فقرہ ملاحظہ ہو۔

"حضرت علی اگر جوانمرد ہوتے تو سب سے پہلے وہ مبارزت قبول کرتے علی میں ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ مبارزت کے لئے پہل کرتے۔"
(شمائل علی صفحہ ۴۲)

علی دشمنی کے نشہ میں اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس طرح تو حمزہ اور عبیدہ بھی جوانمرد نہ تھے بلکہ پورا لشکر اسلام جوانمردی کے جذبات سے عاری تھا۔

حضرت علی کے نکاح کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی ایک روایت کے بارے میں مصنف کی خوبصورت رائے ملاحظہ ہو۔

"شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۵۱ پر ابوہریرہؓ کی روایت درج ہے کہ انہوں نے کہا: "حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے (شادی کے بعد) اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ نے علی ابن ابی طالب سے میرا نکاح کیا۔ حالانکہ وہ محتاج ہیں۔ ان کے پاس مال نہیں ہے۔" اس روایت کا آخری حصہ لائق اعتبار نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ خدا نے اہل زمین میں صرف دو آدمیوں کو پسند کیا۔ ان میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر۔" (شمائل علی صفحہ ۵۰)

دیکھئے کتنی کمال ڈھٹائی سے حدیث کا وہ حصہ جس میں فاطمہ کی زبانی علی کو محتاج کہلوایا گیا ہے قبول کر لیا گیا اور جس میں علی کو رسول کے بعد خدا کا محبوب ترین بندہ کہا گیا ہے قبول نہیں کیا گیا۔ یعنی اس

دشمن علی نے وہ بات قبول کر لی کہ جسمیں توہین علی تھی حالانکہ یہ ہی حصہ قابل قبول نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اس میں رسول کی بیٹی کی بھی توہین ہے کہ انہوں نے بھی عام عورت کی طرح سے علی کی مفلسی کا شکوہ کیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اسلام تو عزت کا معیار تقویٰ بتائے اور دختر رسول مفلسی کا شکوہ کرے۔

حضرت علی کی ایک فضیلت یہ بھی شمار کی جاتی ہے کہ رسول اللہ نے خاص طور سے انہیں سورہ برأت کی تبلیغ کے لئے مشرکین مکہ کے پاس حج کے ایام میں بھیجا تھا اور جن الفاظ کے ساتھ بھیجا تھا ان میں بیشک بات فضیلت ہی کی تھی۔ مگر ملاحظ فرمائیے کہ اس ناصبی نے اسمیں کیا پہلو نکال لیا۔

"آپ سے کہا گیا کہ سورہ برأت کو بھی ابوبکر کے پاس بھیج دیں مگر آپ نے فرمایا کہ اس کی تبلیغ میرے اہل بیت میں سے کوئی کرے گا۔ شاید اس کا مقصد حضرت علی کی قابلیت کو پرکھنا تھا کہ ایک معمولی سا کام کرنے کی صلاحیت بھی ان میں ہے یا نہیں" (شمائل علی ص ۸)

اب ذرا آیۂ تطہیر کے بارے میں سنیے۔

"رسول اللہ جانتے تھے کہ اپنے خاندان میں صرف دو گھرانے ایسے ہوں گے جو حکومت یا خلافت حاصل کرنے کی خواہش میں اپنے نفس کو غلاظت کے قعر عمیق میں جھونک دینگے۔ وہ حضرت علی اور حضرت عباس کے گھرانے ہوں گے۔ اس لئے ۵ھ میں جب ازواج کے بارے میں اللہ نے

یہ آیت نازل فرمائی کہ

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے اے اہلبیت کہ تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

تو حضرت عائشہ صدیقہ کے ایک بیان کے مطابق حضور انور نے ایک دن حضرت علیؓ اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو اپنے پاس بلایا اور ان سب کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر دعا فرمائی!

اللھم ھٰؤلاء اھل البیت فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا۔ یعنی اے میرے اللہ یہ بھی میرے اہلبیت ہیں ان سے گناہ گی کو دور کر دے۔

"حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ مجھے بھی کپڑے میں داخل کر کے میرے حق میں بھی دعا فرمائیے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ تم الگ رہو تم تو خیر سے ہو ہی اہلبیت" (شمائل علی صـ۹۲)

طوالت کلام سے بچنے کے لئے ہم ان الفاظ کی نشاندہی نہیں کر رہے ہیں کہ اپنے مطلب سے جنکا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہم تو صرف یہ بتانا چاہیں گے کہ اب تک تو مسلمان آیۃ تطہیر کو اہلبیت (سُنّی عقیدہ کے مطابق ازواج سمیت) کے لئے وجہ افتخار سمجھتے تھے مگر دیکھئے یہ ناصبی کتنی دور کی کوڑی لایا، کیسی وجہ دعا دریافت کی! اب ذرا اور بھی کچھ سن لیجئے۔

"یہ صرف رسول اللہ کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ علی اور اولاد
علی کو "اہلبیت" تصور کرتے ہوئے انہیں بھی گندگی سے پاک صاف
کر دے۔ آپ نے بحیثیت پیغمبر کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک انسان کے
اپنے خاندان کے تمام افراد کو گندگی سے پاک کر دینے کی اللہ تعالیٰ
سے التجا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے ارادے
کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ علی کے متعلق ارادہ کر چکا تھا۔ اس
ارادہ کو کسی نبی کی دعا بھی نہیں بدل سکتی تھی۔" (شمائل علی ص ۹۶)
پہلے تو وہ دعا بنائی۔ اب یہ بھی بتا دیا کہ آنحضرت کی دعا بھی قبول
نہیں ہوئی۔ دیکھئے بغیر کسی روایت کے اس ناصبی نے فیصلہ دے
دیا۔ اور مسلمانوں کی حماقت دیکھئے کہ آیۂ تطہیر کو وجہ افتخار سمجھتے
رہے۔ اتنی سی بات صدیوں میں سمجھ میں نہ آئی جسے یہ ناصبی ذرا
سی دیر میں سمجھا گیا۔

من کنت مولا والی حدیث پر شیعہ خواہ مخواہ چودہ سو سال
سے اترا رہے ہیں۔ دیکھئے مسئلہ کیا تھا اور بیچارے شیعہ کیا سمجھ رہے
تھے۔ خود سنیوں کو بھی شیعوں کے اترانے کا اتنا عمدہ جواب نہ سوجھا
تھا کہ جتنا اس جینئس ناصبی کو سوجھ گیا۔ ملاحظہ ہو۔

"جب رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی کہ ان کا داماد حد سے بڑھ
رہا ہے تو آپ نے برسر عام علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا کہ جس کا غلام
میں ہوں۔ علی بھی اسکا غلام ہے۔ یہ اسلئے فرمایا تھا کہ علی میں غرور

اور تکبر جو سر اٹھا رہا تھا وہ نیچا ہو جائے۔ اس کے قبل آپ نے حضرت علی کے نفس میں جو گناہ گی بھری تھی اسے دور کرنے کے لئے دعائے تطہیر فرمائی تھی۔" (شمائل علی۔ صفحہ ۱۰۰)

ذرا مولوی صاحبان بھی کان کھول کر سن لیں کہ یہ ناصبی کیا کہتا ہے

"نوٹ:۔ ایک دینی عالم کو جب ہم مولانا کہتے ہیں تو اس کے معنی ہیں" اے ہمارے غلام "کیونکہ ایک عالم دین سب مسلمانوں کا غلام ہوتا ہے اور یہ ڈیوٹی لگا دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو علم دین کی تعلیم دیتا پھرے ورنہ اپنی نمک حرامی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہے"

(شمائل علی صفحہ ۱۰۲)

بہت سے مورخوں نے یہ روایت لکھی ہے کہ علی اور فاطمہ کا نکاح اللہ کے حکم (خاص) سے ہوا۔ کچھ لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ پہلے یہ نکاح عرش پر ہوا پھر فرش پر۔ اور یہ بات علی کے فضائل میں شمار ہوتی ہے مگر آپ اس ناصبی کے ذہن رسا کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے اس میں بھی علی کی منقصت کا پہلو نکال لیا۔ یہی اسکی ڈھٹائی کا کمال ہے کہ منقصت والی روایات کا انکار نہ کرے بلکہ انہیں روایات سے منقصت ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔ ملاحظہ ہو۔

"غرض رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں حالانکہ ابوبکر صدیق کہتے رہے کہ آپ نے علی کی پرورش کی ہے۔ یہ شادی مبارک ہو گی۔ پھر چند دنوں بعد

آپ نے اچانک حضرت انس سے کہا کہ جاؤ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور عبدالرحمان بن عوف اور چند انصار کو بلا لاؤ۔ چنانچہ انس کہتے ہیں کہ میں ان سب کو بلا لایا۔ جب یہ حضرات حاضر ہو گئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آنحضرت نے نکاح کا خطبہ پڑھا پھر اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ علی کا فاطمہ سے نکاح کر دوں۔"

(شمائل علی صـ ۵۱)

"شروع ہی سے رسول اللہ اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح علی سے کرنے کے حامی نہیں تھے اور فاطمہ بھی ان سے راضی نہیں تھیں۔ مگر اللہ تعالے کے حکم سے یہ شادی ہوئی۔ اللہ نے اس شادی کا حکم کیوں دیا۔ اس امر پر کسی نے آجتک غور نہیں کیا۔ حالانکہ قرآن مسلمانوں کو ہر بات پر غور و خوض کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس امر پر کتاب کے آخر میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔" (شمائل علی۔ صـ ۵۵)

اب تک کوئی اتنا بڑا مفکر ہی نہیں پیدا ہوا کہ وہ اس پہلو پر غور کرتا، دیکھئے ان مفکر صاحب کے تخیل کی پرواز، یہ کتاب کے آخر میں حسب وعدہ جو کچھ روشنی ڈالتے ہیں وہ یہ ہے۔

"وہ جانتا تھا (یعنی اللہ تعالی) کہ بہت جلد اسلام کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے صراط مستقیم کو ٹھکرا کر اپنی خواہش کا ایک نیا راستہ مرتب کرے گی اور پھر اس راستہ کی تصدیق کے لئے ایک ایسے شخص کو تلاش کرے گی

جو رشتہ داری میں پیغمبر آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو .... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علی ابن ابی طالب میں وہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو اس قوم کی خواہش کے عین مطابق ہیں۔ اس لئے علی کو اور زیادہ ممتاز بنانے کے لئے اپنے نبی کو ترغیب دی کہ بچپن ہی سے ان کو اپنی پرورش میں لے لیں۔ پھر ان کی شرافت میں اور اضافہ کرنے کے لئے حکم دیا کہ اپنی چہیتی بیٹی کا نکاح بھی ان سے کر دیں .... غرض اللہ تعالیٰ نے۔ مسلمانوں کی آزمائش کے لئے حضرت علی کو ایرانیوں کا منظور نظر بنا دیا"
(شمائل علی صفحہ ۳۱،۱۴،۱۳)

اب ہم اس بے غیرت ناصبی کے وہ اقتباسات نقل کرتے ہیں کہ جنہیں نقل کرنے میں بھی شرم آتی ہے۔ اس نے پچھلے تمام بے غیرتوں کو مات کر دیا ہے۔ یہ وہ ناصبی ہے کہ جو ۱۹۸۰ء میں منصہ شہود پر آیا اسے تو کچھ نئی باتیں کہنا ہی تھیں اور دیدہ دلیری کی انتہا کو پہنچنا ہی تھا ورنہ پھر اسکی باتوں میں اہمیت ہی کیا ہوتی —— ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محمود احمد عباسی (پاکستان میں ناصبیت کے بانی) سے لیکر جو کہ ۱۹۶۵ء میں نمودار ہوا تا ایں زمانہ (۱۹۸۰ء) تک علی دشمنی کے اظہار میں کتنی بے باکیاں آگئیں —— ملاحظہ ہو۔

"کتب ہائے سیر و حوادث و تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ حضرت علی کو (معاذ اللہ) شراب سے بھی الفت

تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شراب کی حرمت کے متعلق آیت ۔۔۔۔
سنہ ھ کے آخر میں نازل ہوئی ۔ اس کے قبل یسئلونک عن الخمر
والمیسر ۔۔۔۔۔۔ نازل ہوئی تھی جس میں بیان ہوا کہ ان
میں نفع کم نقصان زیادہ ہے ۔ اس کے نزول کے بعد متقی پرہیزگار
قسم کے لوگوں نے شراب ترک کردی ۔ مگر حضرت علی جوان تھے پرہیز
گاری تو بڑھاپے میں اختیار کی جاتی ہے" (شمائل علی ۔ ص۵)

یہ ساری ہرزہ سرائی بغیر کسی حوالہ کے کی گئی ہے اور اسی کتاب
میں آگے چل کر ایک جگہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی جلد دوم کے حوالہ
سے حضرت علی کو شراب پلانے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ جھوٹ اور
بددیانتی کی ایک بدترین مثال ہے ۔ اس بے حیا مصنف نے علی
دشمنی کے نشہ میں شبلی نعمانی کو بھی گھسیٹ لیا حالانکہ ان بیچارے نے
ایسا نہیں لکھا ہے ۔

اس ناصبی کی بے غیرتی کا ایک اور شاہکار ملاحظہ فرمائیے ۔
"فاطمہ بنت رسول بچپن ہی سے متقی پرہیزگار تھیں لیکن شادی
کے بعد ان کی پرہیزگاری میں ان کے شوہر کی خواہش آڑے آتی تھی
تاریخی شواہد کے مطابق ان کی ازدواجی زندگی کم و بیش سات سال
کی تھی اور اس مختصر زندگی میں انہوں نے حضرت علی کے چھ بچے جنے
۔۔۔ سات سال کے قلیل عرصہ میں چھ بچے جننا اس بات کی دلیل ہے
کہ حضرت فاطمہ زہرا اپنے شوہر کی مطیع و فرمانبردار تھیں ۔ پھر بھی آخر ۔

انسان تھیں۔ کبھی کبھی وہ بیزاری ظاہر کرتی تھیں تو حضرت علی ان پر سوت لانے کی دھمکی دیتے تھے۔ (شمائل علی۔ صفحہ ۵۵)

یہ شخص بنت رسول کی انتہائی ذاتی زندگی پر کتنی بے غیرتی سے گفتگو کر رہا ہے۔ اگر اس کے اس تصوراتی بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی شوہر کی خواہش بیوی کے تقویٰ پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ شوہر کی خواہش کے احترام میں غیر واجب روزہ بھی ترک کیا جا سکتا ہے اور اس ترک کا زیادہ ثواب ہے، اور یہ بات ہر فرقہ میں مسلّم ہے۔ مگر اس شخص کے شیطانی ذہن کا کیا کیجئے کہ اس شخص نے ان جھوٹی روایات پر قیاسات کا ایک مکروہ محل تعمیر کر لیا کہ جن میں حضرت علی کی دوسری شادی کے ارادے کا تذکرہ ہے۔ ان روایات کو جھوٹا گردانے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ کا رسول اس بات سے بری ہے کہ وہ محض اپنی بیٹی کے دکھ کا احساس کرتے ہوئے اس شئے کو حضرت علی سے روک دیگا کہ جسے اس نے تمام امت پر حلال کیا ہوا اور خود اپنے لئے بھی۔ یہ حضرت علی کی شرافت و عظمت کی واضح دلیل ہے کہ خود انہوں نے ایک نوجوان عرب ہوتے ہوئے شرعی رعایت اور عام معاشرتی رواج کے باوجود محض بنت رسول کی عظمت کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔

ایک اور بیہودگی: یہ بات مسلّم ہے کہ الحوئب کے کتوں والی حدیث کے راوی حضرت علی ہیں اور ابن ابی الحدید

نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ ابو مخنف نے یہ حدیث حضرت علی کی زبانی سن کر بیان کی ہے ۔ دوسرے حوالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ بات رسول اللہ نے اپنی ازواج سے کہی تھی ۔ ازواج مطہرات کے حجرات میں بغیر بلائے اور بغیر اجازت حضرت علی ہی دھڑلے سے داخل ہو جاتے تھے ۔ ان کے علاوہ کسی میں یہ شرافت نہیں تھی ۔

(شمائل علی ۔ ص۲۴۳)

چونکہ (بقول مصنف) دوسرے حوالاجات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ نے یہ بات اپنی ازواج سے کہی تھی ۔ لہٰذا فوراً اس ناصبی کے شیطانی ذہن کو موقع ملا کہ ایک غیر اخلاقی بات کا قیاس کر کے علیؑ سے منسوب کر دے اور بیہودہ زبان بھی استعمال کرے ۔ غالباً مصنف نے اس الزام کی بنیاد اس تصور پر قائم کی ہے کہ رسول اپنی کسی بیوی سے یہ بات کہہ رہے ہوں گے یا بیویاں آپس میں بات کر رہی ہوں گی کہ اچانک علی حجرہ میں بغیر اجازت داخل ہو گئے ۔ حالانکہ یہ بات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ خود رسول نے یا ازواج میں سے کسی نے حضرت علی کو یہ بات بتائی ہو ۔

اب اس سگِ خارش زدہ ناصبی شاکر کا علیؑ کے بارے میں آخری فیصلہ بھی سن لیجئے ۔

"صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی میں اسرار الٰہی کو سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں تھی ۔ ہاں ان میں ابراہی اسرار کو سمجھنے اور مسلمانوں میں

پھوٹ ڈالنے اور اسلام کی ملّی پلید کرنے کی طاغوتی قوت بدرجہ اتم موجود تھی ۔" (شمائل علی ص۳۰)

" بیشک حضرت علی بدری صحابی ہیں اور اس لحاظ سے وہ جنتی ہیں کیونکہ تمام بدری صحابیوں کو اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے ۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ۔ مگر ان کے اعمال جنتیوں جیسے نہیں لگتے ۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے ۔ (شمائل علی ۔ ص۱۲۳)

حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں :

اب آپ ان دو بنی زادوں کے خلاف بدزبانی، طنز اور پھبتی ملاحظہ فرمائیے

" اور حضرت حسین اپنے والد بزرگوار کی طرح مجوسیوں کے دھوکے میں آ گئے ۔ آپ مکے اور مدینہ کو خیرباد کہکر میراث بابل و نینوا لینے چل پڑے یعنی خادم المرسلین یا نام المسلمین سے مجوسیوں کا بادشاہ بننا افضل سمجھا چنانچہ زندگی میں نہ سہی مرنے کے بعد وہ مرتبہ حاصل ہو گیا ۔

شاہ است حسین، شہنشاہ است حسین
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

یہ بحث ہمارے نفس مضمون سے خارج تھی کیونکہ ہمارے کسی بڑے دانشور نے نہ جانے عالم سرور میں یا کسی بڑے چندے کی لالچ میں شاعری فرمائی ہے ۔

" اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد "

اسکی تردید کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ دانشور صاحب سیاست، صحافت اور

بغاوت میں ضرور بڑے ہوں گے مگر اسلام اور اسلامی تاریخ کی دم سے واقف نہ تھے، اپنی خداداد عقل اور انگریزی تربیت سے کام لیتے تو یہ مصرعہ کچھ اس طرح ہوتا۔

"اسلام مردہ ہو گیا بس کربلا کے بعد"

(ارمغان عجم از عزیز احمد صدیقی صفحہ ۲)

اس دانشور سے مراد مولانا محمد علی جوہر ہیں کہ جو سنی مسلک رکھتے تھے۔ اب چند تحریریں اور ملاحظہ فرمائیے۔

"ہم نے مجلسوں میں سنا تھا حضرات حسنین کو جنت سے سبز و سرخ جوڑے بھیجے گئے تھے اور ساتھ ہی شبر و شبیر کے خطابات بھی آئے تھے ان کے معنی عربی لغات میں تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ یہ عربی الفاظ نہیں ہیں البتہ فارسی میں شبر و شبیر موجود تھے اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ مرکب الفاظ ہیں انکو شب پر اور شب پیر لکھنا زیادہ درست ہے۔ شب پر کو شب پرہ بھی کہا جاتا ہے..........

آپ نے سنا ہوگا کہ ایک بار چرند پرند میں جنگ ہوئی تو شب پرہ (چمگادڑ) حالات کے لحاظ سے کبھی ادھر ہو جاتا اور کبھی ادھر پرندوں سے کہتا کہ میں اڑتا ہوں، پرندہ ہوں۔ چرندوں سے کہتا میں تمہاری طرح بچوں کو دودھ پلاتا ہوں، انڈے نہیں دیتا، اسکی خاص عادت یہ تھی کہ وہ دن کو باہر نہیں نکلتا تھا۔ چنانچہ یہ نام حضرت حسن کے حسب حال معلوم ہوا اور رکھا گیا۔" (ارمغان عجم صفحہ ۲)

"جس نے زندگی میں ایک چوہا بھی نہ مارا تھا، سیدالشہداء بن کر پوجے جانے لگے اور آج ہم سمجھتے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں اور چند مجہول و مظلوم شخصیتوں کے علاوہ کوئی دوسرا موجود ہی نہ تھا۔"

(حیاتِ سیدہ سکینہ۔ از عزیز احمد صدیقی)

"اور وہ عروسِ خلافت کے حصول کے لئے دولہا بن کر برات کے ساتھ ہو لئے اور اپنے اہلبیت کو بھی لیتے گئے۔"

(حیاتِ سیدہ سکینہ ص ۲۵)

"حسن اور حسین آپ کی (یعنی رسولِ خدا کی) اولاد نہیں۔ وہ علی کے پوت ہیں جنہوں نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی جوانی میں اسلام کی شریعت کا مذاق اڑایا۔ جب وہ بچے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے پھول ہیں۔ اگر ان کی عین جوانی کے ایام میں آپ زندہ ہوتے تو ان کے کرتوت پر آپ ضرور ناراض ہوتے اور فرماتے کہ ان دونوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

(شمائلِ علی۔ از نذیر احمد شاکر ص ۱۳۱)

ان کتابوں کا اصل موضوع واقعہ کربلا یا حسنؑ اور حسینؑ کی شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ بعض جگہ تو ایسا لگتا ہے کہ مصنفین نے محض اپنا شوق پورا کرنے کے لئے چلتے چلاتے چند سطریں لکھ دیں ______ مگر کتنی دل ہلا دینے والی! اور یہ سطریں رسول کے جگر گوشوں کے لئے لکھی گئیں ۔ اس حسینؑ کے لئے لکھی گئی جس پر عالمِ انسانیت تاقیامت فخر کرے گی ______ اس سلسلہ کا دوسرا عبرتناک پہلو یہ ہے کہ عباسی صاحب

کی خرافات کے بعد ایک اور کتاب "حیات یزید" (سیّدنا اور رحمۃ اللہ علیہ سمیت) حصہ اوّل سنہ ۱۹۷۹ء میں دوبارہ چھپ کر بازار میں آئی جسکا تعارف مولانا جعفر شاہ پھلواری نے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں کیا ہوگا۔ اس کا انداز اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب کے شروع میں کسی مجہول شاعر کی ایک منقبت یزید کی شان میں موجود ہے۔ یزید کہ جسکا نام گالی بن چکا ہے ہم اس منقبت کے چند اشعار محض اس لئے نقل کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ ظالم کی منقبت اور ایسے ظالم کی منقبت کہ جو ظلم کی تاریخ کا ایک نمایاں کردار ہو۔ کیا عبرتناک بات نہیں!!

ہر آن راہبر تھی ہدایت یزید کی ❖ کیوں راشدہ نہ ہو گی خلافت یزید کی

لازم تھی مومنین پہ قرآں سے دیکھئے ❖ اللہ کی، نبی کی، اطاعت یزید کی

بھائے بھی انہیں حادثہ کربلا کے بعد ❖ زینب کو بھی عزیز رفاقت یزید کی

تمکین دین، اشاعت اسلام میں کمال ❖ اللہ کا کرم تھا کرامت یزید کی

امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے بارے میں!

"مزید بارہ امام علیہ السلام آخری نبی کے بعد کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیوں پیدا ہوئے جنکے نام بھیڑیا (جعفر) اور درندہ (باقر) رکھے گئے" (ارمغان نجم صفحہ ۱۱۶)

دیکھئے اولاد رسول کی توہین کرنے کا شوق کس طرح سے پورا کیا جاتا ہے مگر بالکل اسی طرح سے دوسرے بھی کسی کی توہین کرکے اپنا شوق پورا کر سکتے ہیں۔ سوچیے کہ اگر کوئی شیعہ معاویہ کے نام کے بجائے اسکے معنی لکھے

اور حضرت ابوبکر کے نام کے بجائے ان کے لقب عتیق کے معنی لکھے تو سُنی حضرات کے غصہ کا کیا عالم ہوگا۔ اسکا اندازہ تو ان الفاظ کے معنی لغت میں تلاش کرکے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

عرب میں ایسے نام رکھنا کہ جنکے معنی کسی جانور کے بھی نکلتے ہوں برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی صورت حال جعفر اور باقر کے سلسلہ میں بھی ہے۔ جعفر کے معنی دبیا، ندی، بہت دودھ دینے والی اونٹنی (لغات المنجد) اور باقر کے معانی گایوں کا گلہ۔ پھاڑنے والا (لغات المنجد) ہیں

جعفر ابن محمد کہ جن کا لقب صادق تھا شیعہ فرقے کے چھٹے امام ہیں اور محمد ابن علی کہ جنکا لقب باقر تھا اس فرقہ کے پانچویں امام ہیں ـــــ
چنانچہ نام "باقر" نہیں تھا بلکہ یہ لقب تھا اور پورا لقب "باقر العلوم" تھا یعنی علم کو پھاڑنے والا ـ اس سے مراد یہ ہے کہ انتہائی باریک بینی سے علمی مسائل کا تجزیہ کرنے والی ہستی ـ بال کی کھال نکالنے والا۔

صحابہ کے بارے میں:

ناصبی کی نفرت کا نشانہ نہ صحابہ کرام بھی بنے ہیں کہ جو علی کی محبت میں نمایاں تھے اور حد تو یہ ہے کہ بنی امیہ کا واحد صالح حکمران عمر ابن عبدالعزیز بھی محض اس لئے نفرت کا نشانہ بنا کہ وہ علی اور اولاد علی کا احترام کرتا تھا اس نے فدک کی غصب شدہ جاگیر اسکے جائز ورثا کو واپس کر دی تھی اور علی پر برسر منبر ہونے والا تبرا بھی حکماً بند کرایا۔ جسکا حکم ابتداً میں حاکم شام معاویہ ابن ابوسفیان نے دیا تھا ـــــ تو ملاحظہ فرمائیے صحابہ کے بارے میں:

"انہوں نے (یعنی علیؑ نے) اہل قریش سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا ان کی دوستی عجمیوں سے ہو گئی۔ اُن کے خاص پانچ دوست جو دوسروں کے ساتھ کا فرنہ ہوئے حسب ذیل تھے۔

(۱) سلمان فارسی ایک ایرانی غلام جو نائی کا کام کرتا تھا۔

(۲) ہرمزان سابق ایرانی گورنر بصرہ جو گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان بن کر مدینہ میں رہ پڑا۔ (۳) ابو لولو فیروز دوسرا ایرانی غلام۔ (۴) ابوذر غفاری۔ (۵) مقداد جس نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔"

(ارمغان عجم صفحہ ۲۰)

"دوسرا یا ملاحظہ ہو۔ اویس قرنی کے پنجوں اور پہلو پر داغ تھے جیسے گلدار کے ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اویس کو لوگ پاگل سمجھتے تھے۔۔۔۔ افسوس ایسے برگزیدہ بزرگ و مجذوب کی فاتحہ سال میں صرف ایک بار شب برات میں ہوتی ہے حالانکہ ہر ماہ بلکہ ہر ہفتہ ہونی چاہیئے تا کہ حلوا کھانے کو ملے اور رسول بھی خوش ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ اب بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو سر پیٹنے کا مقام ہے۔ اویس کے معنی بھیڑیا اور قرنی کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یعنی اویس قرنی وہی پہاڑی بھیڑیا ہے جسے آریا نسل کے لوگ خدا سمجھ کر پوجتے رہے ہیں۔"

(ارمغان عجم۔ صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳)

اب بنی امیہ کے اس صالح حکمران کے بارے میں سنیئے۔

"عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عمر فاروق اور علی مرتضیٰ کی سنت قائم کرنے

کے زعم میں سرکاری خزانہ خالی کروا دیا۔ فوجوں کو کمزور کر دیا اور عربوں
میں بزدلی پھیلا دی اور خود اپنے خاندان کو ذلیل و رسوا کر ڈالا۔ ان
سب کی ساکھ بگاڑ دی۔ البتہ روافض اور خوارج کو ان کے دور میں
اطمینان نصیب ہوا اور وہ اپنی طاقت جمع کرتے رہے۔ اس سے ملک
کی سالمیت کو سخت نقصان پہنچا۔ عوام کا اعتماد ختم ہو گیا۔ چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے انکو زیادہ مہلت نہ دی اور ان کے جانشینوں میں اتنی بہت ساری
خرابیاں جو یہ شخص اپنے چند روزہ دور اقتدار میں پیدا کر گیا تھا، سنبھالنے کا
یارا نہ رہا۔" (ارمغان عجم۔ صفحہ ۲۱۸)

یہ گروہ نواصب امیوں کا دوست ہے اور ان کے برے سے برے فرد
کا بھی حمایتی رہے۔ مگر وہ اموی حکمران کہ جسے تاریخ ایک صالح حکمران
تسلیم کرتی ہے سے محض اس لئے بیزار ہے کہ اس شخص نے حضرت علی
پر سب و شتم بند کرایا اور (بقول خود) اسکے دور میں روافض کو اطمینان
نصیب ہوا۔ آپ نے علی اور اولاد علی اور صحابہ کرام سے نفرت ملاحظہ
فرمائی۔ اب ذرا بنو امیہ سے محبت کے انداز ملاحظہ ہوں۔

"ہندہ نے مُردوں کے کان اور ناکیں کاٹ لیں اور ان سے لئے
خلخالیں اور ہار بنائے اور جو اپنے خلخالیں اور ہار تھے وہ نکال کر
وحشی کو دے دئے۔ حمزہ کا کلیجہ چیرا اور اسے منہ میں چبایا مگر اسکو نگل
نہ سکی اس لئے تھوک دیا۔ اگرچہ یہ ایک بہت بری حرکت تھی مگر جب
اسکے ساتھ یہ بھی ذہن میں جما لیا جائے کہ ہندہ کا بیٹا حنظلہ حمزہ کے بھتیجے

کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو اس برائی کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے۔
(کتاب شہادت از میرزا حیرت ص ۳۱۵)

انتہائی قبیح حرکت کرنے والی عورت سے ہمدردی محض اس لئے ہے کہ یہ ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں ہے۔

اب دیکھئے کہ ایک ناصبی ابوسفیان کی تعریف کس انداز سے کر رہا ہے۔

"حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایک مدبر، معزز، مفکر، منتظم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریبی رشتہ داروں میں سے تھے وہ رسول اللہ کے چچا اور سسر تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے کہ ان کی عرب میں خوب چلتی تھی اور ان کے مقابلہ میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ ٹھہر سکتا۔"
(شمائل علی از نذیر احمد شاکر ص ۱۱)

یہ رسولؐ کے اس رشتہ کے چچا کی تعریف ہے کہ جو فتح مکہ سے قبل دشمنیٔ رسول میں ممتاز تھا، جنگ بدر میں کفار کی فوج کا سردار تھا فتح مکہ کے روز جب بچت کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کلمہ پڑھ لیا اور محض اس کلمہ کی بنیاد پر یہ محترم ٹھہرا۔ مگر رسولؐ کا حقیقی چچا کہ جس نے زندگی بھر رسول کی حمایت کی اور اس کے صلہ میں مصیبتیں ملیں۔ یہ توہین کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"چار برس کے بعد ایک دن حضرت علی نے ابوطالب کے مرنے کی خبر سنائی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے باپ کی میت کو ٹھکانے لگاؤ۔

رسول اللہ اپنے چچا کی میت کو ڈھیلا دینے خود نہیں گئے کیونکہ کسی کافر مشرک اور مردود مردہ کو ایک پیغمبر خدا ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ علی کو کافر باپ کے گور و کفن میں مدد دینے کے لئے بھیج دیا اور وہ جب واپس آئے تو غسل کر کے پاک صاف ہو لینے تک گھر کے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی۔" (شمائل علی صد ۲۴)

جناب ابوطالب سے اس شخص کی نفرت اسکے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہی ہے اور اس نے ستم یہ کیا کہ خود اپنے متعفنانہ جذبات کو رسول کے جذبات ظاہر کیا ہے اور خطا ابوطالب کی صرف یہ ہے کہ آپ اس علی کے والد محترم ہیں کہ جس نے امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کے نانا، ماموں اور بھائی کو کفر و اسلام کے معرکوں میں تہہ تیغ کیا تھا۔

صوفیا اور محدثین کے بارے میں :

"بخاری اور مسلم کی اکثر احادیث مشکوک ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین تمام کے تمام مجوسیوں کی اولاد ہیں۔" (شمائل علی صد ۶۵)

"یہ کام کوفہ اور بغداد کے عجمیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جنہوں نے صحاح ستہ بھی لکھ ڈالیں اور سیرت النبی بھی تیار کر لی جو آج ہماری اسلامی دنیا کی مایہ ناز کتابیں ہیں مگر موطا ان میں شامل نہیں ہے۔"

(ارمغان عجم صد ۱۸۹)

"نہج البلاغہ، غنیۃ الطالبین۔ کشف المحجوب، احیاء العلوم، مثنوی روم اور صحاح ستہ میں کتنے مضامین کو کرشنا ستر، مہا بھارت، گیتا اور

دیار مقدس سے ماخوذ ہیں۔" (ارمغان دیا بالمعروف رام راج حصہ دوم ص ۱۲۳)

"کہتے ہیں کہ ایک گیارہ سالہ لڑکے (شیخ عبدالقادر جیلانی سے مراد ہے) نے اپنی قومی روایات کو پس پشت ڈال کر ایک بار سچ بول دیا یعنی اپنے کپڑوں میں چھپی ہوئی اشرفیاں ڈاکوؤں کو دکھا دیں تو اس معصوم حرکت کو وہ بچے کی کرامت یا کرشمہ سمجھ بیٹھے اور فوراً تائب ہو کر وہ اولیا میں شامل ہو کر گروہ اولیا میں شامل ہو گئے۔

یقیناً انھیں بتلا دیا گیا تھا کہ میاں ڈاکے ڈال کر اپنی اور دوسروں کی جانیں خطرے میں کیوں ڈالتے ہو۔ جاؤ بال منڈا کر یا بال بڑھا کر ایک عبا پہن لو اور تسبیح ہاتھ میں لے لو اور کسی گوشہ عافیت میں بیٹھ رہو۔ کبھی کبھی ہو حق اور یا علی حیدر کا نعرہ لگا دیا کرو۔ پھر دیکھو۔ مخلوق خدا کیسی کیسی مرادیں لے کر آتی ہے اور لوگ کیسے کیسے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی بیویاں اور بیٹیاں بھی لائیں گے کہ ان کی گودیں ہری کر دی جائیں۔"

(ارمغان وید المعروف رام راج از عزیز احمد صدیقی ص ۱۲۶)

نذر نیاز کے بارے میں:

"مگر تھوڑی دیر بعد ایک ہنگامہ ہو گیا میں نے نیاز کی مٹھائی سے پہلا حصہ اپنے کتے کے آگے ڈال دیا تھا۔" (ارمغان عجم ص ۶)

شیعہ پر تہمت:

مخالف مذہب کے بارے میں بے پر کی اڑانا، تہمتیں لگانا تو عام لوگوں کا وطیرہ ہے ہی۔ مگر جب ہم نے ایسی شیعہ رسومات کے

بارے میں کتاب میں پڑھا تو حیران رہ گئے کہ ایک مصنف بھی اس حد تک گر سکتا ہے۔ لکھتا ہے کہ۔

"چلئے ہمارے ساتھ امام باڑے تک۔ روشنیاں اور چراغاں دیکھیں مرثیے اور نوحے بھی سنیں۔ سنا ہے آخر شب وہاں بھی پردے اٹھا دئیے جاتے ہیں۔ ایسی ہی درگاہوں سے ہوتے ہوئے آئیں گے تو سورج نکل چکا ہوگا اور کائنات کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہوگا۔"

ع "تری صبح کہہ رہی ہے تری شام کا فسانہ"

(ارمغان نجم ص ۱۶)

اس نے امام بارگاہوں کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام کی درگاہوں پر بھی کتنا رکیک حملہ کیا ہے اور اس طرح سے صرف شیعوں ہی کی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی عزت و ناموس کو نشانہ بنایا ہے۔ جشن غدیر میں چراغ گل کرنے کا ذکر بھی اسی کتاب میں ص ۱۴۹ پر موجود ہے۔

ہمارے خیال میں آج کی مہذب دنیا میں کسی بھی مذہب کی کسی مذہبی تقریب میں بلا امتیاز محرمات و اجنبی اختلاط کی آزادی نہیں ہے۔ اور پھر مصنف کا یہ انداز کہ "سنا ہے" کتنا لغو ہے۔ ایسا سنگین الزام تو تحقیق کے بعد لگانا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے سنا کس سے ہے؟۔ بقول آپکے کہ ایسی محفلوں میں تو کوئی غیر شخص جا نہیں سکتا۔ تو ایک ہی صورت ہے کہ شاید اس سنی عورت نے بتایا ہو کہ جو کسی شیعہ کے ہاں بیاہ کے گئی ہو۔ اور کسی ایسی محفل کی شریک ہو اور اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن

ہے کہ سنّی اپنی لڑکی شیعہ کو دیتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں
تو (باہمی شادی بیاہ کا) عام رواج تھا۔ اب ذرا سوچئے تو کہ کیا
سنّی مسلمانوں کو ان الزامات پر شرم نہیں آنا چاہیئے۔ وہ یہ نہیں سوچتے
کہ اس قسم کے الزامات لگانے سے خود سنی مسلمان بھی بے غیرتی کے
اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا کہ اس باہمی رشتہ کی وجہ سے خود ان
کے ہاں بھی نطفہ ہائے ناتحقیق وجود میں آئے۔ پھر یہ بھی تو شرم کی بات
ہے کہ غیر مذاہب کے لوگ کیا کہیں گے کہ محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والا ایک
فرقہ (جو کہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا فرقہ ہے) اپنی مذہبی رسومات کے دوران
محرمات کو بھی جائز کر لیتا ہے۔ اور عام مسلمان انہیں مسلمان بھی
سمجھتے ہیں اور آپس میں شادی بیاہ بھی کرتے ہیں

اس الزام کے لئے جشن غدیر کا انتخاب تو سمجھ میں آتا ہے کہ
یہ تقریب خلافت علیؑ کے ظاہری قیام کی خوشی میں ہے اور یہ محض اتفاق
ہے کہ علیؑ کو ظاہری خلافت قتل حضرت عثمانؓ کے بعد ملی۔ اس جشن
میں سنّی کی دلچسپی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ مگر شب عاشور اور شام غریباں
میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ راتیں تو مظلوم کربلا کی راتیں ہیں، شام غریباں
تو اہلبیت کے اجڑنے کی رات ہے۔ ان راتوں میں تو شیعہ تو دس دن کی تھکن سے
چور ہوتا ہے۔ عام طور سے ازواج سے بھی دور ہوتا ہے۔ سوائے رونے پیٹنے
کے اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ ذرا سوچئے تو کہ یہ کیسے الزام ہیں۔ کہاں
غم اندوہ اور کہاں سفلی جذبات کا ہیجان ـــــ یہ کوئی نظریاتی بحث نہیں بلکہ

امام بارگاہوں کے دروازے ہر شب اور شب عاشور ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں ـــــ اس قسم کے الزام لگانے والے بے غیرت آئیں اور دیکھیں کہ کس عقیدت سے شیعہ مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ قطاریں بنائے ساری ساری رات تھی تمام امام بارگاہوں میں زیارت کے لئے داخل ہوتی رہتی ہیں۔ یہی شام غریباں تو اس شام میں امام بارگاہیں ویران ہوتی ہیں شام غریباں کی آخری اشک فشانی کے بعد شیعان علی خاک آلود چہرو ں سمیت سو جاتے ہیں۔ اور اے بے شرمو! ابھی بتا دیں کوئی بھی شیعہ کا گھر اور امام بارگاہ کھلی ہے کہ جسمیں نذر نیاز اور منقبت علی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اب آخر میں یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیجئے اور دیکھئے کہ سنجیدہ اور ممتاز سنی علماء بھی شیعہ عقائد کے ساتھ کیا ظلم کرتے ہیں مولانا یوسف لدھیانوی رسالہ بینات میں فرماتے ہیں :-

"شیعہ مذہب کی اصل الاصول بنیاد عقیدہ امامت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام کو مبعوث کیا جاتا تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائیگا۔ وہ شیعہ عقیدہ میں نبی کی طرح ہر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ان کی اطاعت ہر بات میں نبی کی طرح فرض ہے۔ وہ نبی کی طرح احکام شریعت نافذ کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں"۔

(اشاعت خاص ماہنامہ بینات جولائی تا فروری ۱۹۷۶ء ۱۲ء
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

اس عبارت کے بعض فقرے سفید جھوٹ کی بہترین مثال ہیں۔ افسوس کہ یہ ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلے کہ جسے ممتاز عالم دین سمجھا جاتا ہے اور یہ فقرے شیعہ مسلک کے بنیادی عقیدہ کے بارے میں ہیں۔ اس سلسلہ میں صحیح شیعہ مسلک کی تفصیل جید شیعہ علماء کے حوالے سے پچھلے باب میں دی جا چکی ہے۔ ہمیں تو اب صرف اتنا کہنا ہے کہ کسی فرقہ کے بنیادی عقائد میں من گھڑت باتیں شامل کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا انتہائی قبیح فعل ہے۔ کیا علماء دین نہیں جانتے کہ اسلام میں بھی بہتان تراشی گناہ کبیرہ ہے ـــــ مگر افسوس کہ جانتے بوجھتے ہر چھوٹا بڑا مولوی اسی روش پر چل رہا ہے ـــــ ہم نے تو صرف ایک مثال پیش کی ہے۔

اب ہم اس مکدر فضا کا ذکر کریں گے کہ جو تقریباً دس سال سے کراچی میں پیدا کی جا رہی ہے۔ اس کام میں چند چھوٹی چھوٹی سی تنظیمیں عموماً اور لیوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان، سنی کونسل اور سواد اعظم اہلسنت خصوصاً سارے سال اس کام میں مصروف رہتی ہیں۔ محرم کے پہلے عشرہ اور ربیع الاوّل کے مہینہ میں ان کی سرگرمیاں عروج پر ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے ہم ان خاص جماعتوں کا مختصر تعارف کرائے دیتے ہیں۔

فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی:

اسکے مرکزی رہنما سہیل احمد خاں ہیں۔ یہ پہلے یوم حسین آرگنائزنگ کمیٹی کے رکن ہوا کرتے تھے۔ انھیں یہ شکایت پیدا ہوئی کہ محض سنی ہونے کی وجہ سے انہیں یوم حسین آرگنائزنگ کمیٹی کا کوئی مرکزی عہدہ نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا انہوں نے یوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی بنا ڈالی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ سہیل

صاحب طالب علم ہوا کرتے تھے۔ کچھ تو فرقہ وارانہ جذبات کو ابھارنے کی خواہش اور کچھ ان کی تنظیمی صلاحیتوں نے اس آرگنائزیشن کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔ جن حالات میں یہ جماعت قائم کی گئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جماعت کے قیام میں عشق فاروق کو دخل نہ تھا اور نہ یوم حسین آرگنائزنگ کمیٹی میں شمولیت حسین کی محبت میں تھی یہ مسئلہ صرف کرسی کا تھا۔ لہٰذا جب ایک جگہ کرسی نہیں ملی تو اپنی ایک نئی جماعت بنا ڈالی۔

اس جماعت کا خاص مقصد صحابہ کرام اور امہات المومنین کے سنہری کارناموں سے مسلمانوں کو متعارف کرانا بتایا جاتا ہے مگر اس جماعت کے بانی سہیل احمد خاں صاحب کا اصل مقصد پیسہ کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے اس جماعت کا مقصد کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسکے قیام میں ضد اور محض شہرت کا جذبہ کار فرما تھا۔

یہ جماعت پورے ملک میں صحابہ کرام اور امہات المومنین کی سیرت کے نام پر جلسہ کرواتی ہے۔ مگر ان جلسوں میں بعض اوقات سیرت صحابہ کم اور سب و شتم زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال کوئی جلسہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں شیعوں کے خلاف اشتعال نہ پھیلایا جائے۔ مگر لوگ اس قسم کی خرافات سننا پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا بعض اوقات تو (کراچی جیسے شہر میں بھی) مقررین اور سامعین کی تعداد تقریباً برابر ہوتی ہے۔ مگر سہیل احمد خاں صاحب اخبارات میں جلسہ کی رپورٹنگ اسطرح کرتے ہیں کہ لوگ سمجھیں کہ بڑے بڑے جلسے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ جو مقاصد یہ جلسے نہیں پورا کر پاتے وہ کسی حد تک اخبارات پورا کر دیتے ہیں۔

ان جلسوں کے لئے بڑے بڑے پوسٹر شہر میں لگائے جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے اشتہارات اخبارات کو دئے جاتے ہیں۔ مگر جتنا بڑا پوسٹر ہوتا ہے اتنا ہی چھوٹا جلسہ ہوتا ہے ــــ سہیل احمد خاں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ان جلسوں کے علاوہ بھی ان کی یوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی شیعہ کے خلاف مختلف انداز سے پورے سال اپنی مہم جاری رکھتی ہے۔

پاکستان سُنّی کونسل:

یہ جماعت تقریباً آٹھ سال پہلے وجود میں آئی تھی۔ اسکے سربراہ ــ محمد یوسف بجلی والا ہیں۔ ان کا اور سہیل احمد خان کا دردا ایک ہے۔ چنانچہ پاکستان سُنی کونسل کے اغراض و مقاصد ملاحظہ فرما لیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

اغراض و مقاصد:

(۱) سنی قوم کے انتشار کو کم از کم کر کے اتحاد باہمی کی کوشش اور سنی مسلم قوم کی عظمت کی بحالی۔

(۲) ہر سال یکم محرم تا ۹ محرم الحرام اول امیر المومنین، سن ہجری کے بانی خلیفہ دوم، شہید محراب، مراد رسول، سیدنا فاروق اعظم کی سیرت کی محافل کا انعقاد۔

(۳) سال نو (بمطابق سن ہجری) کی مبارکباد کے کارڈوں کی ترسیل۔

(۴) یکم تا ۱۲ ربیع الاول خالق ڈنیا ہال محمد علی جناح روڈ کراچی بارہ روزہ محافل سیرت کا انعقاد جسمیں تمام بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث

علمائے عظام کے علاوہ پروفیسر صاحبان سیرت النبیؐ، قرآن مجید کے احکامات نیز اصحاب رسول کی سیرت اور ان کے مناقب پر دلائل کے ساتھ خطاب فرماتے رہیں۔

(ماخوذ از کتابچہ احمد رضا خاں بریلوی اور رسوم محرم الحرام شائع کردہ پاکستان سنی کونسل کراچی ۱۴۰۷ھ۔)

سواد اعظم اہلسنت:

یہ دیوبندی مکتب فکر کے لوگوں کی جماعت ہے۔ ایک زمانے سے برصغیر پاک و ہند میں فقہ حنفیہ کے ماننے والے اپنے آپ کو اکثریت میں ہونے کی وجہ سے سواد اعظم (یعنی بڑا گروہ) کہا کرتے تھے مگر ۱۹۸۱ء سے دیوبندی اپنے آپ کو سواد اعظم اہلسنت کہہ کر متعارف کرانے لگے۔ بریلوی مکتب فکر کے سنیوں کا یہ کہنا ہے کہ سواد اعظم اہلسنت کی اصطلاح دیوبندی حضرات نے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اختیار کی ہے۔ اصل سواد اعظم تو ہم بریلوی مسلک لوگ ہیں۔ مگر دیوبندی یہ اصطلاح استعمال کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بریلوی ہمیں "سنی" تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے اپنے لئے سواد اعظم اہلسنت کی اصطلاح استعمال کرنا شروع کی۔

اس جماعت کے صدر مولانا سلیم اللہ خاں صاحب، جنرل سیکریٹری مولانا اسفندیار خاں صاحب اور جوائنٹ سیکریٹری جناب اسعد تھانوی ہیں۔ اس جماعت کے لوگ بھی فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی اور سنی کونسل کے تحت ہونے والے جلسوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں اور شیعہ کے خلاف فضا

بناتے ہیں مونثر کردار ادا کرتے ہیں۔

ان جماعتوں کے علاوہ سنیوں کی چھوٹی چھوٹی تنظیمیں محرم آتے ہی شہر میں دل آزار پوسٹر لگاتی ہیں، اخبارات میں دل آزار اور اشتعال انگیز اشتہارات چھپواتی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ پوسٹر میں سیدھا سادھا "حضرت عمر فاروقؓ" لکھنے کی بجائے داماد علی لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ سنی مسلک کے مطابق عمرؓ کا درجہ علیؓ سے بلند ہے اور ایک بلند درجہ کے انسان سے کم درجہ کے انسان کا رشتہ جوڑ کر کوئی فخر محسوس نہیں کرتا۔ لہٰذا کسی پوسٹر میں "عمر" کے بجائے "داماد علی" کی سرخی لگانا جذبہ افتخار کے تحت نہیں ہوتا بلکہ مقصد محض شیعوں کی دل آزاری اور چھیڑ چھاڑ ہوتا ہے۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک جناب ام کلثوم بنت علی مرتضےٰ کو حضرت عمرؓ سے منسوب کرنا علیؑ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

اب ذرا اخباری "اشتہارات" کی ایک آدھ مثال ملاحظہ فرمائیے پچھلے سال یعنی ۱۹۸۲ء میں ۹ محرم کو ایک روایت چھپتی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "کاش میرا نامہ اعمال عمر جیسا ہوتا"۔ جس شیعہ نے یہ روایت پڑھی اس کی دل آزاری ہوئی اور وہ مشتعل ہوا کیونکہ اسکے نزدیک یہ علیؑ کی توہین ہے۔

ان ہی اشتہارات میں "نعرہ حیدری" کے وزن پر بالکل اچھوتا نعرہ "نعرہ عمر" لکھا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی دل آزاری کی بات نہیں ہے مگر یہ باتیں جوابی چھیڑ چھاڑ کا راستہ تو کھولتی ہیں۔

واضح رہے کہ شیعہ محرم کا چاند ہوتے ہی حساس اور جذباتی ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور شب عاشور سے تمام غریبان تک ان کے جذبات و احساسات میں شدت اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ مسلسل بڑے بڑے اجتماعات میں شعلہ بیان مقرر فضائل محمدؐ و آل محمدؐ بیان کرتے ہیں۔ اور آل محمدؐ کے مصائب پر گریہ و پکار کرتے ہیں۔ اب اگر ان کو علیؑ کے لئے " داماد " کا خطاب ۔ یہ کہیں دیوار پر لگے ہوئے پوسٹر میں پڑھ لیں تو یقیناً رات کی مجلس میں بڑے جوش و خروش سے یہ بتائیں گے کہ کہاں "عمر" اور کہاں رسول کی نواسی، بنت علی و فاطمہ۔ اسی طرح ۹ محرم الحرام جیسے جذباتی موقع پر شیعہ کی نظر سے جب یہ عبارت گزرے گی کہ علی نے فرمایا کہ کاش میرا نامہ اعمال عمرؓ جیسا ہوتا تو شب عاشورہ کی مجلس میں یقیناً حضرت عمر کے اس نامہ اعمال پہ گفتگو ہوگی اور ذرا کھل کے ہوگی کہ جسکی آرزو امام معصوم حضرت علی کریں۔

آٹھ دس سال پہلے تک، عشرہ محرم کے دوران امام حسینؓ کے نام پر سنی اجتماعات ہوتے تھے۔ یہ بات اور ہے کہ ان میں سنی واعظین حضرت عمرؓ کا ذکر زیادہ اور حسینؓ کا ذکر کم کرتے تھے۔ مگر اب دو تین سال سے باقاعدہ عشرۂ فاروق اور حسین منایا جانے لگا۔ اور باقاعدہ اعلان کے ساتھ کہ ہم پہلے نو دن عمر فاروق کا ذکر کرینگے اور دسویں دن حسینؓ کا ذکر کرینگے سنی اجتماعات میں ہونے والے عمرؓ اور ابوبکرؓ کے فضائل کی سرخیاں تو شیعہ مجالس میں ہونے والے فضائل اہلبیت کی سرخیوں کے پہلو بہ پہلو آٹھ دس سال

پہلے سے لگ رہی تھیں مگر جب سے باقاعدہ عشرہ فاروق وحسین منایا جانے لگا تو اخبارات کی سرخیاں بھی باقاعدہ انکے ذکر کے ساتھ لگنے لگیں۔

ہمیں ان عشروں پر اعتراض نہیں ہے۔ آپ ایسے دو چار عشرہ اور منا سکتے ہیں مثلاً عشرہ صدیق وحسین، عشرہ عثمان وحسین، عشرہ معاویہ وحسین ـــــ اگر ایام محرم اور حسینؑ کا نام استعمال ہونے کی وجہ سے ان اجتماعات کو کچھ سامعین نصیب ہوجائیں اور ان بزرگوں کا ذکر شیعوں کی ضد میں ہی سہی عائبہ ہوجائے تو اس میں کوئی برائی کی بات بھی نہیں ہے مگر ان اجتماعات میں شیعہ فرقہ کے خلاف ہرزہ سرائی اور رسومات عزاداری پر رکیک حملے، چھوٹے چھوٹے جلسوں کے بڑے بڑے اشتعال انگیز پوسٹر محرم کے ایام میں حسین کے بجائے اخبارات میں دوسروں کا ذکر ـــــ ان تمام باتوں سے ملک کی فضا ضرور خراب ہوئی ہے ـــــ وفات عمرؓ کی تاریخ کے سلسلہ میں آپ کی تحقیق جدید آپ کو مبارک، آپ عشرہ محرم میں شہادت حسین کے بجائے شہادت عمرؓ کے اجتماعات کیجئے مگر ان باتوں سے درگزر کیجئے کہ جنکا ذکر ہم نے کیا ہے۔

اس کے علاوہ سیرت صحابہ پر سارا سال ہونے والے جلسہ خاص طور پر "یوم فاروق اعظم" آرگنائزنگ کمیٹی اور سنی کونسل کے تحت ہونے والے جلسے سیرت النبی اور سیرت صحابہ کے جلسے کم اور سیرت شیعہ کے جلسہ زیادہ لگتے ہیں۔ جناب ابوطالب کی کھلے الفاظ میں توہین کی جاتی ہے۔ رسولؐ کے لئے ان کی خدمات کو جھٹلایا جاتا ہے۔ دشمن رسول ابوسفیان کی تعریف

کی جاتی ہے۔ اس کے دامن سے دشمنئ رسول کے داغ دھوئے جاتے ہیں حد تو یہ ہے کہ یزید پلید کی تعریف کی جاتی ہے اور اس داخل دشنام نام کے ساتھ حضرت اور رحمتہ اللہ علیہ کے القاب لگائے جاتے ہیں۔ گو کہ اس فکر کے حامل بلیغ الدین جیسے محدثین منفرد ہوتے ہیں اور سامعین میں بھی بہت کم تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے۔ مگر بعض دیوبندی اور اہلحدیث علماء کی ایسے جلسوں میں موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہیں یزید پلید کی تعریف بری نہیں لگتی۔

ہم نے اس باب میں اپنی بات نواصب کی انتہائی دل آزار کتب سے شروع کی تھی اور پھر آخر میں بعض سنی تنظیموں کے حوالے سے ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے کہ جو پچھلے آٹھ دس سال سے کراچی کی فضا کو مکدر کر رہی ہیں۔ اب ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کراچی کا شیعہ خطیب اشارے کنائے میں اپنے معتقدات بیان کرنے کا عادی رہا ہے (اس بات کو ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں) مگر کراچی کی اس فضا نے بعض خطیبوں کو ذرا کھل کر کہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ خاص طور سے ایک ممتاز نوجوان خطیب اپنے انداز بیان میں کبھی کبھی غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ اسکے باوجود وہ سوائے ابوسفیان اور معاویہ کے تمام بڑے صحابہ کا نام "حضرت" لگائے بغیر نہیں لیتے۔ ابوسفیان اور معاویہ کی توہین ردعمل ہے جناب ابوطالب کی توہین اور یزید کی تعریف کا

اب ہم اس باب کو ایک کتاب کے چند ایسے اقتباسات پر ختم کرتے ہیں کہ جنکو پڑھنے کے بعد ہمارے ان خیالات کی تصدیق ہو جائے گی

کہ جنکا اظہار ہم نے یوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان سنی کونسل اور سواد اعظم کے بارے میں کیا ہے۔

اقتباسات ملاحظہ ہوں:

پاکستان سنی کونسل وہ جماعت ہے جس نے گودھرا کمیٹی کے ایک ساتھ میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں پہل کی ہے جبکہ گودھرا اسلم انجمن کا ایک وفد مشہور عالم دین مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، حافظ محمد تقی صاحبان کے پاس گیا اس سلسلے میں تعاون حاصل کرنے کے لئے پہنچا تو ان دونوں صاحبان نے مجلس شوریٰ کی شرکت کو اس کام سے زیادہ ضروری جانتے ہوئے اس سلسلہ میں معذرت کردی۔ دارالعلوم امجدیہ کے مولانا محمد حسن حقانی نے یہ کہکر معذرت کرلی کہ وہ اب سیاست سے کنارہ کش ہوگئے ہیں اور مزید یہ کہ یہ مسئلہ سیاسی ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں سواد اعظم اہلسنت پاکستان کا کردار بھی قابل ذکر اور قابل تعریف ہے۔ جنہوں نے پاکستان سنی کونسل کی مانند اس معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھا اور میدان عمل میں آئے۔ اس طرح دیگر تنظیمیں یوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی، بزم خاتم المعصومین، انصار الاسلام جمعیت التوحید والسنۃ اور احقر کی تنظیم جمعیت برادران اہل حدیث اور دیگر جماعتیں بھی پاکستان سنی کونسل کی اقتدا میں میدان عمل میں آگئیں"

(روداد سنی کونسل۔ از علامہ سعید بن عزیز صد ٦
ناشر کتب خانہ قرآن وسنت۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی)

اس سُنی کانفرنس میں سوادِ اعظم کے جنرل سیکریٹری مولانا اسفندیار صاحب نے اپنے وہ دس مطالبات حکومت کے سامنے پیش کئے جو کہ حقیقتاً تھوڑے بہت ردّ و بدل کے ساتھ وہی مطالبات ہیں جو کہ پاکستان سُنی کونسل پچھلے کئی برسوں سے کر رہی ہے"

"سات آٹھ برس میں یہ جماعت جس کا نام پاکستان سنی کونسل ہے عوام کا ذہن بنانے میں مصروف ہے۔ اس کا اسٹیج وہ واحد اسٹیج ہے جہاں پر دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث علماء جلوہ افروز ہوتے ہیں"

(رودادِ سُنی تحریک ص ۱۸)

یہ دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث علماء خانہ خدا میں اکٹھا جلوہ افروز نہیں ہوتے اور اگر کبھی حسنِ اتفاق سے اکٹھا ہو جائیں تو دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔ مگر اس واحد اسٹیج پر شیعوں کے خلاف سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

چوتھا باب

جلتی مسجدیں

عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

جوش ملیح آبادی

سیکٹر G-11، ۸ نمبر نیو کراچی میں شیعوں کے تقریباً مکانات ہیں ۱۹۶۱ء میں آباد ہوئے۔ یہ آبادی جیکب لائنز کراچی سے منتقل ہو کر آئی تھی۔ کچھ دنوں بعد ۱۹۶۲ء ہی میں مسجد اور امام بارگاہ کے لئے پانچ ہزار دو سو مربع گز کا ایک قطعہ آراضی منتخب کر لیا گیا اور اسی طرح سے حضرات اہلسنت نے بھی ایک قطعہ آراضی برائے مسجد منتخب کیا۔ دونوں فرقوں کی عبادت گاہوں کے لئے قطعات کا تعین باہمی مشاورت اور رضامندی سے ہوا۔ شیعہ مسجد کا نام جامع مسجد سکینہ رکھا گیا اور امام بارگاہ کا نام امام بارگاہ کاظمین جبکہ سنی مسجد کا نام مسجد ربانی رکھا گیا کہ جو اسی نام سے ابھی تک قائم ہے۔ مسجد اور امام بارگاہ کا قطعہ آراضی S.T.60 کے نمبر سے چلا آرہا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں گودھرا والے جمشید روڈ اور دوسری جگہوں سے لا کر یہاں بسائے گئے اور اُن کی جھونپڑیاں اسطرح سے ڈلوائی گئیں کہ مسجد و امام بارگاہ کا قطعہ آراضی سمٹ کر 500 مربع گز رہ گیا۔

اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائیگی کہ یہ قطعہ آراضی یعنی S.T60
کسی کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ نہیں کہ جیسا تاثر دیا جا رہا ہے بلکہ یہ ایک معمول
کے مطابق صورتحال ہے۔ کراچی کی بیشتر مساجد بلا امتیاز فرقہ اسی طرح سے
تعمیر ہوئی ہیں کہ جہاں لوگ آباد ہوئے وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ کے لئے بھی
جگہ تجویز لی

اس علاقہ میں پہلا شیعہ سنی فساد سنہ ۱۹۷۰ء میں ہوا (اس کا مطلب یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۶۷ء
سے اہل کودھراکی آمد کے بعد فساد کے لئے فضا تیار ہونے لگی) اس فساد میں ایک شیعہ کا مکان
نذر آتش ہوا اور چند شیعہ زخمی ہوئے۔ اُنیس سنی گرفتار کر لئے گئے جن پر ضابطہ فوجداری کی
مختلف دفعات کے تحت مقدمات قائم کئے گئے ساتھ ہی ساتھ انتظامیہ نے دونوں متحارب
گروہوں کے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ شروع کرادیا جسکے نتیجہ میں اس تجویز پر اتفاق
ہو گیا کہ جامع مسجد سکینہ کو تو ST-60 ہی پر رہنے دیا جائے اور امام بارگاہ
کاظمین کو قریب ہی ایک میدان میں کہ جو اسی سیکٹر کے ۷ ½ نمبر میں واقع ہے منتقل
کر دیا جائے مگر اس تجویز پر عمل درآمد نہ ہو سکا اور نماز اور مجالس کے دوران
اکثر و بیشتر پتھراؤ کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سنہ ۱۹۸۲ء آگیا۔ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۸۲ء
کو جامع مسجد اور امام بارگاہ سے بالکل ملحق شامیانہ لگا کر کودھراکی عورتوں نے
امام بارگاہ پر قبضہ کی سی صورت حال پیدا کردی۔ چنانچہ شیعوں نے قانون اپنے ہاتھ
میں لینے کے بجائے پولیس سے مدد طلب کی۔ پولیس نے بروقت کارروائی کرکے
صورت حال کو مزید بگڑنے سے بچا لیا۔ عورتوں کا شامیانہ وہاں سے ہٹوا دیا گیا
۷ / جنوری سنہ ۱۹۸۳ء کو ایک سہ فریقی میٹنگ ہوئی جسمیں علاقہ کے ڈپٹی کمشنر

انجمن پنجتن اور گودھرا اسلم انجمن کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں یہ طے پایا کہ جامع مسجد سکینہ کو وہیں 60-S.T پر رہنے دیا جائے اور امام بارگاہ کاظمین کو 61-S.T پر منتقل کر دیا جائے۔ انجمن پنجتن کے صدر جناب تقی شوق کے مطابق یہ کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں تھا بلکہ منٹس کی صورت میں ایک تحریر تھی۔

گودھرا اسلم انجمن کے نمائندوں نے اصل تجاویز کے برعکس اپنی برادری میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مسجد اور امام بارگاہ دونوں ہی ہٹا دئے جائیں گے۔ جسکے نتیجہ میں گودھرا برادری کے کچھ افراد نے مسجد کی چند فٹ بلند چہار دیواری گرا دی جسکی شکایات تحریراً ۲۷ جنوری ۱۹۸۳ء کو متعلقہ تھانہ میں کر دی گئی۔ نیز یہ کہ پولیس کی مدد مانگی گئی تاکہ دیوار کی تعمیر دوبارہ ہو سکے۔ چنانچہ دوسرے دن یعنی ۲۸ جنوری ۱۹۸۳ء بعد نماز جمعہ منہدم دیوار کی دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ شوق صاحب کے بیان کے مطابق، اس دیوار کی تعمیر میں پولیس نے مدد کا یقین دلایا تھا اور تعمیر شروع ہونے کے وقت ایک اے۔ایس۔آئی موجود تھا۔

تقریباً چار بجے گودھرا برادری کی عورتوں نے پتھراؤ کر کے حملہ کی ابتدا کی اور ان کی کمک پر ایک بڑا ہجوم آ گیا، چنانچہ چند گنتی کے شیعہ نوجوان جو کہ مدمقابل تھے وہاں سے ہٹ گئے۔ ان میں سے چھ سات زخمی ہو گئے اور تین کے شدید چوٹیں آئیں۔

ہجوم نے میدان صاف پا کر امام بارگاہ کے تبرکات کو اکٹھا کر کے ان میں آگ لگائی جس سے کئی قرآن پاک جل گئے۔ مسجد و امام بارگاہ کے قریب ایک شیعہ کے مکان میں گھس کر توڑ پھوڑ مچائی اور کچھ قیمتی سامان لوٹ کر لے گئے۔ مسجد و امام بارگاہ

کے بالکل سامنے چند فٹ کے فاصلہ پر لکڑی کی ایک ٹال تھی جسمیں شٹرنگ کی ناقابل استعمال لکڑی فروخت ہوتی تھی اور یہ کسی سنی کی ملکیت تھی۔ اس میں بھی آگ لگادی گئی۔ مقامی شیعہ حضرات کا یہ کہنا ہے کہ آگ خود سنی حملہ آوروں نے اپنے جرم کو چھپانے کے لئے لگائی۔ اس وقت کی صورت حال سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ شیعہ تو وہاں سے ہٹ چکے تھے اور اس حصہ پر حملہ آوروں کا قبضہ تھا اور یہ صورت حال پولیس کی کمک آنے پر ختم ہوئی۔ پولیس نے شیلنگ کر کے حملہ آوروں کو وہاں سے بھگا دیا۔ ان کے بھاگ جانے کے بعد پولیس کی موجودگی میں یہ آگ شیعہ کیسے لگا سکتے تھے اور یہ فرض محال ایسا کرتے بھی تو بات پولیس کے ریکارڈ پر ہوتی جبکہ ایسا نہیں ہے۔

غرضیکہ اس سانحہ کے بارے میں نیو کراچی کے تھانہ میں مطابق الف۔ آئی آر نمبر ۸۲/۵۰ مورخہ $\frac{1}{۱۳}$ ۲۸ زیر دفعہ P.C ۳۲۳/۴۲۷/۴۳۶/ ۴۹۵ / ۱۵۱/۴۸/ ۱۴۷ الشمول دفعہ ۱۴۔ اسلامی حدود آرڈیننس سنی حملہ آوروں کے خلاف ایک فوجداری مقدمہ درج کر لیا گیا اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ علاقہ کے لیڈر یعقوب لوڑ کا کو بھی گرفتار کر لیا گیا ادھر یہ خبر کراچی کے شیعوں میں پھیل گئی اور وہ جوق در جوق جائے حادثہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ شیعہ علماء و خطباء نے آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنا شروع کر دیا اور پھر خطباء کو ہٹا کر ہیئت ائمہ مساجد امامیہ کے علماء نے سارے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کمشنر جائے وقوعہ پر آیا اور ہیئت کے ائمہ کو گفتگو کے لئے بلایا جو کہ قریب ہی ایک مکان میں موجود تھے

مگر ائمہ نے کمشنر کے پاس آنے کے بجائے خود اسکو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی کمشنر تھا۔ لہٰذا نہیں گیا۔ چنانچہ کچھ بات نہیں بنی۔ ائمہ کرام نے دوسرے دن ۷۲ گھنٹے کا نوٹس دے دیا۔ اس نوٹس کی میعاد ختم ہونے پر بتاریخ ۴ فروری ۱۹۸۳ء نشتر پارک میں نمازِ وحدت پڑھنے کا اعلان کر دیا۔

نمازِ وحدت:۔

اعلان کے مطابق نمازِ وحدت نشتر پارک میں ہونا تھی مگر حکومت نے وہاں نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی تو امام بارگاہ علی رضا نیو ایم اے جناح روڈ پر متبادل انتظام کر لیا گیا۔ ایک خفیہ اطلاع یہ بھی ہے کہ اصل پروگرام ہی نیو ایم اے جناح روڈ کا تھا، مگر انتظامیہ کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے نشتر پارک کا اعلان کیا گیا تھا تاکہ وہ نشتر پارک کی طرف متوجہ رہے اور اجتماع نیو ایم اے جناح روڈ پہ ہو جائے۔

چنانچہ ۴ فروری ۱۹۸۳ء کو امام بارگاہ علی رضا ایم اے جناح روڈ پر تاریخی اجتماع ہوا۔ مگر منتظمین کا ارادہ مکمل طور سے ٹریفک روکنے کا نہ تھا بلکہ پروگرام کے مطابق یکطرفہ ٹریفک جاری رہنا تھا۔ مگر انتظامیہ نے (شاید کسی خطرے کے پیش نظر) گرومندر سے لیکر کیپری سینما تک مکمل طور سے ٹریفک بند کر دیا۔ تو مجمع بھی پرانی نمائش کے چوراہے سے لیکر امام بارگاہ علی رضا تک پوری سڑک پر قابض ہو گیا اور وہیں نماز ادا کی گئی۔

نماز کے بعد دعائے وحدت اور پھر سنی ائمہ مساجد کے صدر جناب محمد موسیٰ کی تقریر۔ پوری تقریر بڑی متاثر کرنے والی تھی اور عام منظر بھی بڑا متاثر کرنے والا تھا، سب سے آگے آئی۔ ایس۔ او کے کفن بردار نوجوان تھے۔ پھر اسٹیج اور

اسٹیج کے آگے تقریباً ۸۰ ائمہ مساجد دھرنا دیئے بیٹھے تھے۔ عام مجمع تقریباً تین
ہزار کا تھا۔ مولانا موسیٰ صاحب قبلہ کی تقریر کا نچوڑ یہ تھا کہ: بہتّر گھنٹہ کا وقت ختم
ہو گیا۔ مگر حکومت کے کان پر جوں نہ رینگی۔ اب ہم کسی کے پاس نہیں جائیں گے
جس کو آنا ہے یہاں آئے۔ ہمارے چار مطالبات ہیں۔ یہ بڑھ تو سکتے ہیں مگر
کم نہیں ہو سکتے۔ حکومت ان کی منظوری کا اعلان کر دے۔ ورنہ ہم جان دے
دینگے مگر یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ ہم حسینی ہیں، ہم خمینی ہیں۔ ہم گولی کھائیں گے
لعابیں ہمارے نوجوان، جسکو جانا ہو چلا جائے۔ مگر ہم ائمہ مساجد جان دے دینگے
مگر مطالبات پورے ہوئے بغیر جائیں گے نہیں

مطالبات:

(۱) ۔ مسجد اور قرآن جلانے والوں کو مارشل لاء کے تحت قرار واقعی سزا دی جائے
(۲) ۔ مسجد سکینہ اور امام بارگاہ کاظمین کا الاٹمنٹ دیا جائے۔
(۳) ۔ نقصانات کا معاوضہ دیا جائے۔
(۴) ۔ مساجد اور امام بارگاہوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

اور مولانا نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمارا یہ اجتماع سنیوں کے خلاف
نہیں ہے بلکہ حکومت کے خلاف ہے۔ مولانا موسیٰ صاحب کی تقریر کے دوران ہی چار
منظور شدہ نعروں کا اعلان کیا گیا، اور سختی سے تاکید کی گئی کہ ان کے علاوہ کوئی
نعرہ نہ لگایا جائے، ان نعروں میں مجرمین کے خلاف نعرے، نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت
نعرۂ حیدری، نعرۂ صلوٰۃ، خمینی رہبر، مرگ بر امریکہ اور مرگ بر صدام کے نعرے
تھے۔ ایک نعرہ بھی نہ سنیوں کے خلاف لگایا گیا اور نہ ہی کسی صحابی کے خلاف

شیعہ سُنّی بھائی بھائی کے نعرے بھی سُنے گئے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب دھرنے کا عرصہ بڑھنے لگا اور جوش و خروش میں بھی اضافہ ہونے لگا تو مجوزہ نعروں کی پابندی نہ ہو سکی۔ چنانچہ ایک نوجوان نے کچھ غیر ذمہ دارانہ نعرے بھی لگوائے۔ مگر یہ نعرے نہ سنیوں کے خلاف تھے اور نہ کسی صحابی کے خلاف۔ وقت گزرتا رہا۔ لوگ آتے رہے، جاتے رہے۔ مستقل بیٹھنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں رہی جنکے لئے باقاعدہ کھانے کا انتظام تھا پورے عرصہ تقریر، مجالس، ماتم، نعرے، دعا و حاجات اور ائمہ معصومین کی بتائی ہوئی مختلف دعائیں اجتماعی طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ مجمع میں عجیب جوش و خروش تھا۔ بہت سے لوگ تو واقعی میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ یہ دعا و حاجات بھی خوب تھی جب یہ دعا پڑھی جاتی تو عجب سا سماں پیدا ہو جاتا تھا۔ چہرہ آسمان کی طرف، ہاتھ بلند اور ہر ایک کا پنجہ دوسرے کے پنجہ میں پیوست۔ ہزاروں کا مجمع ایک اکائی میں تبدیل ہو جاتا تھا، خطرے کے موقع پر ابن الحسن اور کبھی (یا امام زمانہ میری مدد کیجئے) کا ورد باآواز بلند و یک زبان ایک یقین کی فضا پیدا کر دیتا تھا۔ خاص طور سے نصف شب میں کھلے آسمان کے نیچے جبکہ ہلکی ہلکی سردی بھی پڑ رہی تھی۔ یہ مناظر خاص لطف دے رہے تھے۔

دوسری طرف پولیس کی بھاری جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہر لمحہ تیار کھڑی تھی۔ حکام بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے کہ کسی صورت سے یہ مسئلہ پر امن طور سے حل ہو جائے۔ مگر ہیئت ائمہ مساجد کا یہ کہنا تھا کہ وہ کسی کے پاس نہیں جائینگے اور نہ ہی اس مسئلہ پر کسی سے مذاکرات کریں گے۔ انہیں صرف

مطالبات کی منظوری چاہئے تھی ــــــ اس سخت موقف کی وجہ سے صورت حال سنگین سے سنگین تر ہوتی چلی جارہی تھی پہلی رات کمشنر، کراچی، آکر واپس چلا گیا اور مذاکرات کی نوبت ہی نہ آئی بالآخر دوسری رات ہارون فیملی کی ایک شخصیت نے بیچ میں پڑکر علماء کو گفتگو پر آمادہ کیا جسکے نتیجے میں انتظامیہ اور ہیئت ائمہ مساجد کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے یہ ظاہر کیا گیا کہ چاروں مطالبات تسلیم کر لئے گئے ہیں، ا۔ ہیئت ائمہ مساجد نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور فروری ۱۹۸۳ء صبح سویرے دھرنا ختم کرنے کا اعلان کیا اور قریب ہی مسجد شاہ خراسان میں شکرانے کی نماز ادا کی

اب دوسری طرف کا حال سنئیے کہ جب قرآن مسجد اور امام بارگاہ جلائے گئے تو ہیں گودھرا برادری کے کچھ لوگ اور علاقہ کے کونسلر صاحب گرفتار ہوئے تو گودھرا کیمپ نیو کراچی میں ہلچل مچ گئی۔ جہاں یہ جھوٹے الزامات کی تشہیر کردی گئی کہ شیعوں نے مسجد اور قرآن کو آگ لگائی ہے اور پھر ۲۹ جنوری ۱۹۸۳ء کے اخبار "جنگ" کی خبر کے اس ٹکڑے نے کہ "چند شرپسندوں نے امام بارگاہ اور متصل مسجد کو آگ لگادی" "دو گروہوں میں تصادم" بعض سنی حضرات نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ مسجد کو آگ شیعوں نے لگائی اور امام بارگاہ کو آگ سنیوں نے لگائی۔ شیعوں کے دھرنے اور مطالبات کی منظوری سے سنی عوام میں اور اشتعال پھیل گیا۔ ناصبی اور دیوبندی سنیوں کی دلی مراد پوری ہوئی وہ بہت عرصہ سے بادل ناخواستہ شیعوں کو برداشت کر رہے تھے۔ ہر سال۔ محرم اور ربیع الاول کے موقع پر یہ عناصر اپنی زہریلی تقریروں کے ذریعہ اس

بات کا ثبوت فراہم کر رہے تھے کہ اس ملک میں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔
جنوری ۱۹۸۲ء کے ربیع الاول میں خالق دینا ہال کراچی میں بڑے فیصلہ کن انداز سے اشتعال انگیزی کی گئی جسکے نتیجہ میں ۹ جنوری ۱۹۸۲ء مطابق ۱۲ ربیع الاول کو بسی شاہ خراساں میں آگ لگی اور پھر ۱۹۸۳ء کے ربیع الاول میں خالق دینا ہال کی محفلوں میں بڑے جوش وخروش سے کہہ دیا گیا کہ اب ان کے جلوس نہیں نکلنے دیئے جائیں گے۔ ریڈیو اور ٹی۔وی سے محرم کے پروگرام بند کرائے جائیں گے، وغیرہ وغیرہ ــــــ چنانچہ اب گوجرہ کے سانحہ سے اس گروہ کو ایک سنہری موقعہ مل گیا (ہم اس گروہ کے بارے میں تفصیل سے گذشتہ باب میں عرض کر چکے ہیں) یہ وہ گروہ تھا کہ جسے ربیع الاول جیسے مہینہ میں ہزار آدمیوں کا مجمع ملنا دشوار ہوتا تھا۔ اب تیس چالیس ہزار کا مجمع ملنے لگا۔

عظمت قرآن کانفرنس:

اس سلسلہ کا پہلا قابل ذکر جلسہ جسمیں تیس چالیس ہزار آدمی موجود تھے عظمت قرآن کانفرنس کے نام سے رحمانیہ مسجد گوجرہ میں مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۸۳ء کو منعقد کیا گیا۔ یہ جلسہ سواد اعظم (نام نہاد) اہلسنت کی طرف سے ہوا تھا اس جلسہ میں ہر طرف بیہودگی کا راج تھا۔ ایک طرف تو مولوی اسٹیج سے شیعوں کے خلاف زہر اگل رہا تھا تو دوسری طرف اس ہزاروں کے مجمع میں چھوٹے چھوٹے لڑکے ناچ ناچ کر یسیر یاور سنی یاور، خمینی مردہ باد کے علاوہ شیعوں اور خصوصاً آیت اللہ خمینی کے لئے انتہائی بیہودہ نعرے لگا رہے تھے جگہ جگہ بینرز پر شیعہ

اور آیت اللہ خمینی کے بارے میں بڑی غلط تحریریں درج تھیں۔

مولوی صاحبان اسٹیج سے کھلے عام شیعہ کو یہودی اور کافر کہہ رہے تھے، شیعہ عقائد پر کھلم کھلا رکیک حملہ کر رہے تھے۔ گالیوں تک کی نوبت تھی سب سے آخر میں تو ایک مقرر ضیاء القاسمی نے تو بڑے پھکڑپن کا ثبوت دیا شیعہ علماء کا نام لے لے کر اوٹ پٹانگ باتیں کہیں۔ شیعہ مؤذن کی باقاعدہ نقلیں بنائیں۔ اسی جلسہ میں پہلی مرتبہ شیعوں کے مکانوں اور امام بارگاہوں میں آگ لگانے کی کھلی دھمکیاں دی گئیں۔ آخر کار یہ جلسہ اپنے دس مطالبات کے ساتھ نصف شب کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ اسی جلسہ میں سوادِ اعظم کی طرف سے آئندہ کے لائحہ عمل کا بھی اعلان کیا گیا۔

اس جلسہ کے قابل ذکر مولوی یہ تھے:

مولانا ذکریا۔ مولانا اسفندیار۔ مولانا سلیم اللہ خان۔ مولانا اسعد تھانوی مولانا احمد تھانوی۔ مشہور مولوی مولانا ضیاء القاسمی (لاہور)

اس جلسہ کے دس مطالبات کہ جو دوسرے دن یعنی ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء کو اخبار جنگ میں چھپے:۔

(۱) ۔ مساجد کی صوبائی انتظامیہ میں شیعہ نواز حکام کو برطرف کیا جائے۔

(۲) ۔ قرآن جلانے والوں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

(۳) ۔ جن سنیوں کو دباؤ کے تحت اس سانحہ میں ملوث کیا گیا ہے ان کے خلاف مقدمات واپس لے جائیں۔

(۴) ۔ متنازعہ مسجد سنیوں کے حوالے کی جائے۔

(۵) - محرم کے جلوسوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔
(۶) - دل آزاری والی شیعہ کتب اور رسائل پر پابندی لگائی جائے۔
(۷) - اس سانحہ میں جلنے والے سنی گھروں کے مالکان کو معاوضہ دیا جائے۔
(۸) - بندر روڈ پر دھرنا دے کر بیٹھنے والوں، حکومت کے خلاف اور خمینی کے حق میں نعرے لگانے والوں پر مقدمہ چلایا جائے۔
(۹) - ایرانی قونصل جنرل کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک سے نکال دیا جائے
(۱۰) - حکومت سندھ کے بھرتی کردہ متعصب افسروں کو برطرف کر دیا جائے۔

مسجد فاروق اعظم ناظم آباد کا جلسہ

دوسرا قابل ذکر جلسہ ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء کو پاکستان سنی کونسل کے زیر انتظام مسجد فاروق اعظم نارتھ ناظم آباد میں ہوا۔ پاکستان سنی کونسل کے بقول جلسہ میں ۱۸ سنی تنظیموں نے حصہ لیا۔ اس جلسہ میں شہر کے مختلف علاقوں خصوصاً گودھرا کے علاقہ سے لوگ ویگنوں، بسوں اور ٹرکوں میں بھر کر لائے گئے تھے۔ اس جلسہ سے جن قابل ذکر افراد نے خطاب کیا وہ یہ تھے۔

شاہ بلیغ الدین، پروفیسر یامین محمدی، محمد یوسف بجلی والا اور سہیل احمد خان
شاہ بلیغ الدین ناصبی سے تو سب ہی واقف ہیں، محمد یوسف بجلی والا اور سہیل احمد خان کا نام بھی جانا پہچانا ہے۔ اب رہے پروفیسر یامین محمدی تو یہ صاحب ہیں تو اہلحدیث مگر ناصبیوں کے حلقہ میں گھسنے کے بڑے شوقین ہیں
اس جلسہ میں کیا کچھ کہا گیا ہوگا اس کا اندازہ ان خطیبوں کے ناموں سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

آرام باغ کا جلسہ:

نیز قابل ذکر جلسہ ۱۶ فروری دن کے دو بجے آرام باغ میں منعقد ہوا۔ تقریباً آٹھ ہزار افراد شریک ہوئے۔ یہ جلسہ یوم فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی کے تعاون سے ہوا۔ اس میں بھی ۱۸ سنی تنظیموں نیز آل پاکستان سنی کونسل کی شرکت کا اعلان کیا گیا۔ اس جلسہ کے قابل ذکر مقررین یہ تھے:۔

مولانا احسان اللہ فاروقی (لاہور) پروفیسر یاسین محمدی (اہل حدیث) اور شاہ بلیغ الدین (ناصبی)۔ اس جلسہ میں احسان اللہ فاروقی اور شاہ بلیغ الدین نے شیعوں کے خلاف انتہائی جوشیلی اور اشتعال انگیز تقریریں کیں جنکے چند جملے جو کہ ۱۷ فروری ۱۹۸۳ء کے اخبار "نوائے وقت" میں بھی چھپے۔ قابل غور ہیں:۔ "یہ تو ہماری کارنر میٹنگ ہے جلسہ تو ہمارا مزار قائد اعظم پر ہوگا (بلیغ الدین) گو مصر اکیمپ کا مسئلہ حل ہونے سے ہماری تحریک ختم نہ ہوگی (بلیغ الدین) "حضرت ابوبکر نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا۔ آج ہم بھی جہاد کر رہے ہیں۔" (بلیغ الدین) "اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعہ مخصوص نظریات کی تبلیغ بند کی جائے۔" (بلیغ الدین) (اخبارات نے محتاط الفاظ استعمال کرتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اخبارات میں مجالس کی رپورٹنگ اور ریڈیو۔ ٹی۔ وی سے محرم کے پروگرام بند کئے جائیں) اب ریڈیو اور ٹی۔ وی پر صرف ہمارے علماء آئیں گے۔" (علامہ احسان اللہ فاروقی)

"انہوں نے مطالبہ کیا کہ اب صرف عظمت صحابہ بیان کی جائے (علامہ۔ احسان اللہ فاروقی)

یہ تو وہ باتیں ہیں کہ جنکی رپورٹنگ اخبار نے کی ہے۔ اب ہم وہ باتیں لکھتے ہیں کہ جنہیں اخبار مصلحتاً نہ لکھ سکا اور جو کیسٹوں میں محفوظ ہیں۔

شاہ بلیغ الدین نے بڑے واضح انداز سے کہا کہ اب کسی کالج اور یونیورسٹی میں یوم حسین" نہیں منے گا۔ محرم کے پروگرام ریڈیو اور ٹی۔وی سے نشر نہیں کئے جائیں گے۔ اخبارات اور رسائل محرم کی مجالس کی رپورٹنگ نہیں کریں گے۔ ماتمی جلوس نہیں نکلنے دئے جائیں گے۔ بلیغ الدین کی تقریر جاری تھی کہ اسٹیج کے بائیں طرف سے یزیدیت مردہ باد کے نعرے لگنا شروع ہو گئے۔ ان نعروں سے بلیغ الدین اتنے بوکھلا گئے کہ مائک پر مضطربانہ انداز سے یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہنے لگے۔ غالباً ان کا مقصد لوگوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ وہ اس نعرہ کو بدعت نہیں سمجھتے حالانکہ گنتی کے چند افراد نے یزیدیت مردہ باد کے نعرے لگائے تھے، مگر مولانا۔ احسان اللہ فاروقی نے کہ جو اسٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے، ایسی چیخ و پکار مچائی کہ جیسے شیعوں نے باقاعدہ حملہ کر دیا ہو۔ آپ چیخ چیخ کہ کہنے لگے کہ پولیس ان سبائی ایجنٹوں کو باہر نکال دے ورنہ یہاں سے لیکر گولیمار تک ایک امام باڑہ نہیں بچے گا۔ حالانکہ یزید مردہ باد کے نعرے لگانے والے خود سنی بریلوی مسلک کے لوگ ہو سکتے ہیں کہ جن کی

ملک میں بھاری اکثریت ہے اور جنہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ بلیغ الدین اور ایک مختصر سا گروہ یزید کا احترام کرتا ہے اور زندہ باد کے نعرے لگاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ سنیوں کے اتنے بڑے مجمع میں چند شیعہ آکر ہنگامہ آرائی کرتے سے رہے۔ مگر مولانا کو تو امام باڑے جلانے کی دھمکی کے لئے جواز چاہیئے تھا اور ان حضرات کا یہ طریقہ ہر جلسہ میں رہا ہے کہ "اگر یہ ہوا" کی شرط کے ساتھ شیعوں کے گھر اور امام باڑے جلانے کی دھمکی دیتے رہے ہیں۔ گودھرا کے جلسہ میں بھی اسی طرح دھمکی دی گئی تھی اور نشتر پارک کے جلسہ میں بھی یہی انداز تھا کہ جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ بلیغ الدین کی تقریر کے دوران مداخلت ہوئی تو انہوں نے اپنی تقریر جلدی ختم کر دی اور پھر دعا کے بعد جلسہ ختم ہو گیا اور اس مجمع کا کچھ حصہ جلوس کی شکل میں نشتر پارک روانہ ہوا، کیونکہ وہاں اس رات عظمت صحابہ کانفرنس ہونے والی تھی۔

عظمت صحابہ کانفرنس:

اس کانفرنس کا باقاعدہ آغاز بعد نماز عشاء ہوا۔ اور تقریباً تین بجے رات تک یہ جاری رہی۔ اس جلسہ میں کراچی اور بیرون کراچی سے سواد اعظم کے بہت سے علماء شریک ہوئے۔ جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں:۔

مولانا اسفندیار۔ مولانا نندوری خان، مولانا اسد تھانوی، مولانا احمد تھانوی، مولانا سلیم اللہ، مولانا زکریا، مولانا عبدالرزاق مرکزی سیکریٹری اطلاعات، کالعدم جمعیت علمائے اسلام، قاری گل رحمٰن

مولانا عبدالستار تونسوی صدر تنظیم اہلسنت پاکستان -

یہ جلسہ اب تک کے تمام جلسوں میں ہر اعتبار سے بڑا تھا - اور بڑی اہمیت کا حامل تھا - سامعین بھی سب سے زیادہ تھے اور مقررین بھی ہر جلسہ سے زیادہ تھے - لوگوں کی تعداد کم از کم ستر ہزار ضرور ہو گی جگہ جگہ بینر لگے ہوئے تھے - بعض بینروں پر ایرانی سفیر اور آیت اللہ خمینی کے خلاف نعرے لکھے ہوئے تھے - اور بعض بینروں پر شیعوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی تھی - مثلاً یہ یہودی ہیں، انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے ان کا کلمہ الگ ہے، ان کا قرآن الگ ہے - اس کے علاوہ بینروں پر ان کے خاص خاص مطالبات بھی درج تھے - شیعوں کے خلاف لگنے والے نعروں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا - بار بار لگنے والے نعرے یہ تھے :-

شیر پاور سنی پاور، فیصلہ دو ٹوک ہے - شیعوں تمہاری موت ہے امجد اسد بھائی بھائی شیعوں تمہاری موت آئی - فرعون کے لئے کلیم اللہ خمینی کے لئے سلیم اللہ - جاگو جاگو سنی جاگو - بھاگو بھاگو شیعہ بھاگو شیعوں کا جو یار ہے - سنیوں کا غدار ہے - اور خمینیت مردہ باد -

جلسہ میں ہر مقرر نے حسب توفیق شیعہ، ایران، ایرانی حکومت ایرانی قونصلیٹ جنرل اور آیت اللہ خمینی کے خلاف رکیک حملہ بازی بد کلامی اور غلط الزامات کو اپنا شعار بنایا -

مولانا اسفندیار نے اس بات کا یقین دلانے کے لئے کہ بریلوی مسلک کے سنی اس تحریک میں سواد اعظم کے ساتھ ہیں - ان کی بہت

سی تنظیموں کی جانب سے موصول ہونے والی تحریریں پڑھ کر سنائیں اور اپنے دس مطالبات کی منظوری تک تحریک چلانے کا عزم ظاہر کیا۔ یہ مطالبات کم و بیش وہی تھے کہ جنکا اعلان ۱۰ فروری ۱۹۸۳ء کی عظمت قرآن کانفرنس منعقدہ گودھرا میں کیا گیا تھا۔ بس ایک خاص مطالبہ یہ تھا کہ شیعوں کے ایمان لیگاڑے (امام باڑے) سنی اکثریتی علاقوں سے ہٹائے جائیں۔ مولانا نے مطالبات کی منظوری کے لئے مولانا نذرعلی کی سرکردگی میں ایکشن کمیٹی تشکیل دی بعد میں مولانا نذرعلی خان نے اعلان کیا کہ اگر ہمارے مطالبات ۴۷ گھنٹے میں پورے نہیں ہوئے تو نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی اس کانفرنس میں ائمہ مساجد سے اپیل کی گئی کہ جمعہ ۱۸ فروری کو تمام مسجدوں میں اس تحریک پر روشنی ڈالی جائے اور حکومت پر مطالبات کی منظوری کے لئے زور ڈالا جائے۔ چنانچہ جمعہ ۱۸ فروری کو ہر سنی مسجد سے شیعہ کے خلاف فضا تیار کی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ بریلوی مسلک رکھنے والے ائمہ کا لب ولہجہ عام طور سے وہ نہ تھا کہ جو نام نہاد سواد اعظم والوں کا تھا۔

اتوار ۲۰ فروری سہ پہر کے وقت ایک پریس کانفرنس منعقد کی گئی جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ جیسے ہی ۷۲ گھنٹے کی مدت ختم ہوگی تحریک کا آغاز کردیا جائے گا۔ چونکہ نصف شب تک مطالبات منظور نہیں کئے گئے تھے لہذا پیر ۲۱ فروری ۱۹۸۳ء مسجد باب رحمت پرانی نمائش پر نماز ظہر ادا کرنے کا اعلان کردیا گیا۔

آخر میں، نشتر پارک کے جلسہ کے بارے میں یہ اہم بات بتاتے چلیں کہ

یہاں بھی شیعہ مکان اور امام بارگاہیں جلانے کی دھمکی اسی شرط "اگر" والے انداز سے دی گئی کہ جس انداز سے آرام باغ کے جلسہ میں دی گئی تھی۔ اسٹیج سے ایک مقرر نے اپنی تقریر یہاں تک کہا کہ ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ لالوکھیت کے ایک سنی جلسہ پر پتھراؤ کیا گیا ہے۔ ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ "اگر" اس طرح کی حرکتیں کی گئیں تو ہم شیعوں کے گھروں کو آگ لگا دیں گے۔ ان کا ایک امام باڑہ نہیں بچے گا ــــــــ اسطرح سے ہر جلسہ میں "اگر" کے ساتھ امام باڑہ اور شیعہ مکان جلانے کا احساس سنی دلوں میں جگا دیا گیا۔

مسجد باب رحمت میں نماز ظہر

یہ ایک بہت چھوٹی سی مسجد ہے جو پرانی نمائش کے چوراہے پر قائد اعظم کے مزار سے متصل واقع ہے۔ امام بارگاہ اور مسجد شاہ خراسان بھی سامنے ہی تھوڑی دور پر واقع ہے۔ یہاں پر نماز منعقد کرنے کا مقصد اچھی طرح سے واضح ہے۔ یہاں بھی شہر کے مختلف حصوں خصوصاً گودھرا کے علاقہ سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ کچھ باریش نوجوان جو کسی دار العلوم کے طالب علم تھے، بیشتر لٹھ بند آئے تھے، اور کچھ افراد نے سڑک پر لگے ہوئے درختوں کی لکڑیاں توڑ لی تھیں۔

انتظامیہ کے اعلیٰ حکام اور پولیس بھاری تعداد میں علاقہ میں موجود تھی۔ خراسان جانے والے ہر راستہ کو پولیس کے ٹرک کھڑے کر کے بند کر دیا گیا تھا۔

نماز سے پہلے حسب معمول شعلہ بیانی شروع کر دی گئی۔ آج کی شعلہ بیانی میاں طفیل (امیر کالعدم جماعت اسلامی) کے دامن تک بھی پہنچی۔

خطاب صرف اتنی تھی کہ میاں صاحب کا ذرا معقول سا بیان شیعہ سنی مسئلہ پر صبح کے اخبارات میں چھپا تھا ـــــــــ آج کے جلسہ کے قابل ذکر نام یہ تھے: شاہ بلیغ الدین، مولانا اسفندیار، مولانا احمد الرحمٰن، مولانا ذکریا، مولانا اسد تھانوی، احسان اللہ فاروقی اور گودھرا کے کونسلر یعقوب لوڑکا۔

اس جلسہ کی دلچسپ بات یہ تھی کہ تقریر کے دوران یہ اعلان کیا گیا کہ ایک یہودی مسلمان ہو گیا ہے جو اسٹیج پر آ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے گا۔ میں اس اعلان پر حیران ہوا، کیونکہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی یہودی کے اسلام لانے کا اعلان کیا گیا۔ خیر جب یہ یہودی صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ میرا نام یہ ہے اور میں شیعہ تھا اور اب سواد اعظم کا مسلک اختیار کر رہا ہوں تب بات سمجھ میں آئی کہ یہودی سے کیا مراد تھی۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جب جاہل اور نیم خواندہ عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی جائے گی کہ شیعہ دراصل یہودی ہیں تو پھر ان کی مسجدوں کو مسجد کون سمجھے گا۔ آگ تو لگے گی ہی۔

جلسہ بھر مقررین خود ہی مجمع کو مشتعل کرتے رہے اور خود ہی صبر کی تلقین بھی فرماتے رہے۔ مجمع بار بار مشتعل ہو کر مسجد خراسان کا رخ کرتا، تاکہ تبلہ کرنے والی پولیس پر پتھراؤ کرتا، مگر پولیس کے صبر و تحمل اور جلسہ کی انتظامیہ کی طرف سے روک تھام کی وجہ سے بات آگے نہ بڑھنے پائی۔ مگر جب مجمع کو قابو میں رکھنا دشوار ہو گیا تو اسکے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا۔ اور پر امن طور سے منتشر ہونے کی تلقین کی جانے لگی مگر

یہ کیسے ممکن تھا لوگوں کو اشتعال دلاتے دلاتے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ اور اب صبر کی تلقین کی جا رہی تھی، لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ ۲۷ گھنٹے کی مدت ختم ہونے کے بعد جلسہ ہو رہا ہے۔ آج تو کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ چنانچہ انتہائی جوش و خروش کے عالم میں یہ لٹھ بند مجمع جلسہ گاہ سے روانہ ہوا۔ اس کا رخ گرو مندر کی طرف تھا۔ یہ مجمع قائد اعظم کے مزار کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ شیلنگ کی آواز آئی اور لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے اور پھر ذرا دیر کے بعد پولیس اور مشتعل ہجوم کے درمیان تصادم شروع ہو گیا، ہنگامہ کا سبب کیا تھا، تھوڑے فاصلہ پر ہونے کے سبب ہم اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے ہجوم دیوانہ تو ہو ہی رہا تھا، ہو سکتا ہے کہ اس نے خراسان جانے والے راستہ پر متعین پولیس پر پتھراؤ کیا ہو۔ یا اندر جانے کی کوشش کی ہو۔ ہم نے سادے کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی کو ایرانی نمائش سے خراسان جانے والے راستہ پر متعین ایک پولیس افسر سے جو غالباً ایس۔ پی۔ تھا جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے سنا کہ غضب ہو گیا۔ ادھر شیل کس نے پھنکوا دیا (یہ جملہ پنجابی میں کہا گیا تھا) جواب میں ایس۔ پی۔ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ضرور ہے پولیس تصادم کے بعد مجمع نے گرو مندر کے قریب ایک اومنی بس میں آگ لگادی۔ یہی مجمع کچھ پیدل اور کچھ سوزوکیوں میں لالوکھیت پہنچا، سب سے پہلے مسجد اثنا عشری پر پتھراؤ کیا گیا۔ پھر یہی مجمع آگے بڑھتا گیا اور دس نمبر لالوکھیت کی مرکزی امام بارگاہ پر پتھراؤ کیا۔ اس کی بعض دوکانوں کو آگ لگادی، کیف دولت جو کہ ایک ایرانی کی ملکیت تھا، اور امام بارگاہ ہی کی دوکان میں تھا اسے بھی آگ لگادی۔ پولیس بھی فسادیوں پر لاٹھی چارج کرتی اور اشک آور گیس پھینکتی رہی۔ ایک اطلاع کے مطابق

مرکزی امام بارگاہ کے سامنے ایک شخص جسکا نام مشتاق بیگ بتایا جاتا ہے گولی لگنے سے زخمی ہوگیا اور ہسپتال جاکر فوت ہوگیا ہنگامہ رات تک جاری رہا۔

سواد اعظم (نام نہاد) نے دوسرے دن یعنی ۲۲ فروری ۱۹۸۳ء کیلئے ہڑتال کی اپیل کردی مگر ہڑتال پر کسی نے کان نہ دھرا۔ حسب معمول دوکانیں کھلنا شروع ہوگئیں، ٹریفک بھی معمول کے مطابق جاری تھا کہ کچھ لفنگے نمودار ہوئے اور انہوں نے ٹائر جلا کر ٹریفک روکنا شروع کردیا۔ لبوں اور کھلی دوکانوں پر پتھراؤ شروع کردیا۔ اب ٹریفک کی بجائے لالکھیت کی لمبی چوڑی سڑک پر لوگوں کی ٹکڑیاں نظر آنے لگیں، ان میں بیشتر تماشبین تھے۔

آج شیعوں کی دوکانوں کے علاوہ بینک بھی جلائے گئے اور بعض سنیوں کی دوکانیں بھی لپیٹ میں آگئیں۔ مسجد اثنا عشری پر آج پھر حملہ ہوا۔ آج کے حملہ میں بلوائی مسجد کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اور مسجد کے مصلّیٰ میں آگ لگادی۔ یہاں پولیس کو گولی چلانا پڑی جس سے ایک سنی کمسن لڑکا ہلاک ہوگیا، مرکزی امام بارگاہ کے گیٹ کو آگ لگادی گئی اور کچھ لوگوں نے اندر داخل ہوکر توڑ پھوڑ کی۔ مگر فوراً ہی پولیس نے فسادیوں کو وہاں سے بھگادیا ایف۔ آئی۔ آر نمبر $\frac{104}{83}$ کے مطابق مرکزی امام بارگاہ پر پہلا حملہ صبح دس بجے ہوا اور ایف آئی آر نمبر $\frac{102}{83}$ کے مطابق دوسرا حملہ دو بجے دن میں ہوا۔

سی ایریا کی امام بارگاہ محفوظ رہی مگر اس لئے کہ وہاں اس کے جاں نثار موجود تھے، مٹھی بھر نوجوان جنکے گھر امام بارگاہ کے آس پاس تھے مستقل ڈٹے رہے۔ بار بار کے حملے کو روکتے رہے چنانچہ یہ امام بارگاہ اور مسجد بے حرمتی

سے بچی رہی۔

انچولی سوسائٹی میں فساد:

یہ بستی فیڈرل "بی" ایریا میں سپر ہائی وے کے قریب واقع ہے اسکی بیشتر آبادی شیعہ ہے۔ یہاں شیعوں کی ایک مسجد، مسجد خیر العمل" کے نام سے بھی ہے، اس کے سامنے ایک کھلا میدان ہے، اور وہیں بھینسوں کا ایک چھوٹا سا باڑا ہے اور سامنے ہی سہراب گوٹھ کا چوراہا ہے جہاں پٹھانوں کا زور ہے۔ قریب ہی ان کی بستی ہے۔

۲۲ فروری ۱۹۸۳ء جبکہ لالوکھیت میں ہنگامہ شروع ہو چکا تھا، سہراب گوٹھ کا علاقہ بھی افراتفری کا شکار تھا۔ مگر شروع میں مسئلہ کی نوعیت فرقہ وارانہ نہ تھی، وہاں مسئلہ یہ تھا کہ انتظامیہ ناجائز قابضین کو ہٹانا چاہتی تھی لہذا پولیس کی ان سے محاذ آرائی شروع ہو گئی، پٹھان حضرات کا ہجوم مسجد خیر العمل کے سامنے سے نظر آرہا تھا جہاں شیعہ جمع تھے۔ ہجوم کا رخ جب شیعوں کی طرف ہوتا تو ادھر سے پتھراؤ ہوتا۔ تقریباً چار بجے شیعوں نے محسوس کیا کہ پٹھان مسجد پر حملہ کی نیت سے بڑھ رہے ہیں لہذا انہوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ ادھر سے پٹھانوں نے فائرنگ شروع کر دی جس سے تین شیعہ، ساجد حسین، احسن رضوی اور امتیاز حسین جاں بحق ہو گئے۔ جواب میں شیعوں کی طرف سے فائرنگ ہوئی جس سے دو سنی فوت ہوئے۔ جن میں سے ایک کا تعلق پٹھان قوم سے اور دوسرے کا تعلق اوڈ قوم سے تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی پولیس فائرنگ سے مرا۔

انچولی کے فساد کے سلسلہ میں ایک نکتہ نظر یہ بھی ہے کہ دونوں فریق غلط

فہمی کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے الجھے۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ پٹھان پولیس کی شیلنگ سے بچنے کے لئے بھاگ گئے ہوں اور شیعہ سمجھتے ہوں کہ وہ ان پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور جوابی پتھراؤ کو پٹھان یہ سمجھتے ہوں کہ یہ بستی سمجھ کر پتھراؤ کر رہے ہیں اور یہی بات بڑھتے بڑھتے فائرنگ کی شکل اختیار کر گئی۔ بہر حال کچھ دیر بعد فوج کے آجانے سے یہ علاقہ پرامن ہو گیا اور بعد میں بھی فساد کی نوبت نہیں آئی۔ یہاں نہ کسی کا مکان جلا اور نہ دوکان۔

اسی دن مسجد علی اور مسجد ولی العصر نیو کراچی پر بھی حملہ کیا گیا۔

رات گئے نیو کراچی، فیڈرل بی" ایریا، لیاقت آباد، ناظم آباد اور گولیمار کے علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

مسجد و امام بارگاہ عابدیہ پر حملہ:

یہ مسجد اور امام بارگاہ فریئر روڈ پر اہلحدیث حضرات کی مسجد سے متصل واقع ہے۔ اس متنازعہ عبادت گاہ کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے ایف۔ آئی۔ آر نمبر ۶۲/۸۳ مندرجہ تھانہ آرٹلری میدان، کے مطابق اس عبادت گاہ پر حملہ کیا گیا، قرآن پاک اور امام بارگاہ کے تبرکات نذر آتش کئے گئے۔ واضح رہے کہ یہ امام بارگاہ پر پہلا حملہ تھا۔

مجلس فاتحہ خوانی برائے شہداء انچولی:

کرفیو کے دوران بتاریخ ۲۵ مارچ شہدائے انچولی کی روح کو ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی ایک مجلس ہوئی، حالانکہ مجلس میں پانچ چھ ہزار کا مجمع تھا۔ مگر امن کی خاطر لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں کیا گیا۔ مجلس سے ہیئت ائمہ

مساجد کے اسوقت کے صدر محمد موسیٰ صاحب نے خطاب کیا۔ آپ قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر عوام کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا کہ ہم کل پاکستان بنیاد پر رابطہ قائم کر رہے ہیں اور جب مؤثر طریقہ سے رابطہ قائم ہو جائیگا تو ہم ضرورت پڑنے کے وقت پورے پاکستان میں سڑکوں پر نکل آئینگے آپ نے مزید اعلان فرمایا کہ ہمارے نوجوان بہت قیمتی ہیں۔ ہم ایک جان کا نذرانہ بھی اسوقت پیش کرینگے کہ جب سمجھیں گے کہ اس سے کوئی بڑا مقصد حاصل ہوگا۔ مجموعی طور سے آپکی تقریر بڑی متاثر کرنے والی تھی۔

بعد ختم مجلس مجمع انتہائی پر سکون انداز سے منتشر ہو گیا۔

کرفیو کے باوجود نرمی کے وقفہ کے دوران اکا دکا وارداتیں ہوئیں جس میں مصطفٰے منزل لالوکھیت کی آتشزدگی بھی شامل ہے۔ خدا خدا کر کے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد کرفیو مکمل طور سے اٹھا لیا گیا اور وقتی طور سے امن قائم ہو گیا۔

مسجد و امام بارگاہ عابدیہ پر دوسرا حملہ:

مورخہ ۴ مارچ ۱۹۸۳ء کو بعد نماز جمعہ، مسجد و امام بارگاہ عابدیہ فریئر روڈ پر حملہ کر کے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا اور پھر طاقت کے زور پر اس شیعہ عبادت گاہ کو متصلہ اہلحدیث مسجد میں شامل کر لیا گیا جسکی ایف آئی آر۔ نمبر ۸۳/۸۳ تھانہ آلرٹی میدان میں درج کرادی گئی۔

سہراب گوٹھ پر جلسہ اور کنز الایمان کانفرنس

مورخہ ۴ مارچ ۱۹۸۳ء، اس شہر کراچی میں دو بڑے جلسے ہوئے پہلا جلسہ کنز الایمان کانفرنس کے نام سے نشتر پارک میں ہوا اور دوسرا جلسہ سہراب گوٹھ

سپر ہائی وے میں ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ مسجدوں اور امام بارگاہوں کی بے حرمتی سے سواد اعظم (نام نہاد) کا دل نہیں بھرا ہے۔ کرفیو اٹھ چکا تھا۔ حالات معمول پر آ گئے تھے، لہٰذا ضرورت اس بات کی محسوس کی جانے لگی کہ نئے سرے سے آگ لگائی جائے کیونکہ ابھی سواد اعظم کے مطالبات پورے نہیں ہوئے تھے ان میں سے بیشتر مطالبات پورے ہونے والے ہی نہ تھے۔

کنزالایمان کانفرنس جو کہ بعد نماز جمعہ شروع ہوئی۔ بریلوی مسلک کے سنیوں کی طرف سے تھی۔ یہاں بھی شیعوں کے خلاف خاصا زہر اگلا گیا مگر سواد اعظم والا لب ولہجہ نہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دیوبندیوں یعنی نام نہاد سواد اعظم اور اہل حدیث حضرات کو بھی برا بھلا کہا گیا اور فسادات کی مذمت کی گئی۔

سہراب گوٹھ کا جلسہ سواد اعظم (نام نہاد) کی طرف سے بعد نماز عشاء شروع ہوا۔ سہراب گوٹھ الآصف کے قریب پٹھانوں کی بستی ہے۔ اس علاقہ میں ۲۲ فروری ۱۹۸۳ء کو خونریزی ہو چکی تھی۔ مگر عوام اور حکام کی کوششوں سے یہ علاقہ بالکل پرسکون تھا۔ امن کمیٹی قائم ہو چکی تھی۔ کچھ دن پہلے ایک پٹھان مرکزی وزیر خان جدگیز جی اس علاقہ میں آ کر امن وامان سے رہنے کی نصیحت کر چکے تھے۔ چنانچہ سواد اعظم نے اس علاقہ کو منتخب کیا اور چاہا کہ یہاں کی فضا کو پھر سے خراب کر دیا جائے۔ چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں دور دراز کے محلوں سے لوگ سوزوکیوں اور ٹرکوں میں بھر کر سہراب گوٹھ پہنچے حسب دستور مقررین نے انتہائی اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ وہی بیہودہ نعرے لگائے گئے کہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ مگر پہلے والے جلسوں کے مقابلہ میں اس جلسہ کی کچھ

اپنی خصوصیات بھی تھیں ـــــ یہ پورا علاقہ فوج کے حوالے تھا ـــــ
تین ہٹی کے پل سے لیکر سہراب گوٹھ تک تقریباً ہر چوراہے پر فوجی تعینات
تھے کہ جو سوزوکیوں اور ٹرکوں میں سوار جلسہ گاہ کی طرف جانے والے افراد
کو ڈرا دھمکا رہے تھے۔ سہراب گوٹھ کے چوراہے پر فوج کی خاصی تعداد تھوڑے
تھوڑے فاصلہ پر مستعد کھڑی تھی۔ اس جلسہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس
میں گورنر عباسی صاحب کو بہت برا بھلا کہا جا رہا تھا اور صدر مملکت ضیاء الحق
صاحب پر بھی خاصی جملے بازی کی جا رہی تھی اور فوج کو بھی مطعون کیا جا
رہا تھا۔ ایک مقرر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "آج فوج کی حالت دیکھ کر ایسا
لگ رہا ہے کہ ہم پاکستان میں نہیں بلکہ اسرائیل میں جلسہ کر رہے ہیں۔

اس جلسہ میں بات گالیوں سے گذر کر کوسنوں تک پہنچی چنانچہ چند
روز پہلے ہاکس بے کے ساحل پر چکوال سے آنے والا ایک قافلہ (بقول خود) امام
زمانہ کی بشارت پر اپنے آپکو سمندر کی بے رحم لہروں کے حوالے کر چکا تھا۔ اس کا مذاق
اڑاتے ہوئے ایک مقرر نے جو کچھ فرمایا اس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ "اے اللہ ان کی
ساری قوم کو یہی خواب آجائے۔ ان کے امام زمانہ انہیں بھی سمندر کے راستہ بلائیں
تاکہ ہمیں ان سے نجات مل جائے"۔

اس جلسہ میں ایک مقرر نے گورنر سندھ سے اپنی ایک ملاقات کا بھی ذکر کیا کہ
میں گورنر صاحب کے بلانے پر ان سے ملنے گیا تھا۔ وہاں میئر بلدیہ عظمیٰ کراچی جناب عبدالستار
افغانی جناب محمود اعظم فاروقی (مالعدم جماعت اسلامی کے ممتاز لیڈر) اور ممتاز
شیعہ عالم اور خطیب جناب علامہ عقیل ترابی صاحب کی موجودگی کا بطور خاص ذکر

کیا اور فرمایا کہ علامہ عقیل ترابی صاحب نے کہا کہ میں یہاں اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا ہوں ۔ تو میں نے کہا کہ خدا کرے آپ تنہا ہی رہو تو اچھا ہے ۔ پھر یہ بتایا کہ ہمارے ہی کچھ بھائیوں نے گورنر سے خوشامدانہ گفتگو کی مگر افغانی صاحب اور محمود اعظم فاروقی صاحب نے ہمارے موقف کی کھل کر حمایت کی ۔

یہ جلسہ تقریباً ڈیڑھ بجے رات تک جاری رہا اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے زور دیتا رہا اور مطالبات منظور نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی دھمکیاں دیتا رہا ۔ اس جلسہ سے مولانا اسفندیار ، مولانا ذکریا اور دوسرے افراد نے خطاب کیا

سوادِ اعظم کے مطالبات کی جزوی منظوری

مورخہ ۷ مارچ ۱۹۸۳ء کو گورنر سندھ جناب عباسی صاحب نے سوادِ اعظم (نام نہاد) کے سرکردہ لیڈروں کو شرف ملاقات بخشا اور ان کی انتہائی سنگین اشتعال انگیزیوں پر بجائے تنبیہ کے بڑی مہربانی سے پیش آئے ۔ اور ان کے چند مطالبات مان لئے جو انتہائی غیر منصفانہ تھے اور ان کا ماننا اس معاہدہ کے خلاف تھا کہ جو حکومت سندھ نے ہیئت ائمہ مساجد امامیہ سے ۶ فروری ۱۹۸۳ء کو کیا تھا کہ جس کی ایک شق یہ تھی کہ گودھرا کی شیعہ مسجد اور امام بارگاہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو سخت ترین سزا دی جائے گی ۔ چنانچہ انہیں سزا دینا تو درکنار گورنر صاحب نے ان تمام افراد کی رہائی کا حکم دے دیا کہ جو ان تمام ہنگاموں کے دوران گرفتار کئے گئے تھے ۔ جن میں بہت سی مسجدیں اور امام بارگاہیں نذر آتش کی گئیں تھیں ۔

گورنر صاحب نے وفد کو یقین دلایا کہ ان کے باقی ایسے مطالبات کہ جن کا

تعلق فیڈرل گورنمنٹ سے ہے، منظوری کے لئے فیڈرل گورنمنٹ کو بھیج دئے جائیں گے۔ چنانچہ سواد اعظم کی طرف سے مزید جلسے کرنے کا پروگرام وقتی طور سے ملتوی کر دیا گیا۔
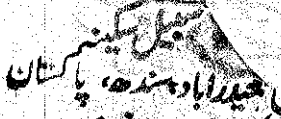
مرکزی امام بارگاہ میں مجلس حیدرآباد سندھ، پاکستان

ایک مسجد اور ایک امام بارگاہ کی بے حرمتی پر شیعوں کی طرف سے ۴ فروری سنہ ۱۹۸۳ء کو انتہائی پرامن احتجاج کیا گیا جس میں نہ ایک پتھر چلا اور نہ ایک قطرہ خون بہا۔ اس پر شیعوں کو اتنی بڑی سزا ملی کہ ان کی کئی مساجد اور کئی امام بارگاہیں اور نذر آتش کر دی گئیں۔ چنانچہ وہ بھی سخت ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھے اور ہفتہ وار میٹنگیں کر رہے تھے۔ بعض جوشیلے نوجوان انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ اسی کیفیت میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں ہیئت ائمہ مساجد امامیہ، بعض ماتمی انجمنوں کے ممبران اور آئی۔ ایس۔ او۔ وغیرہ کے ارکان نے شرکت کی۔ فیصلہ ہوا کہ ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کو مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں شہداء الخولی کے لئے ایصال ثواب کی ایک مجلس کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ اس اجتماع کے لئے بڑے جذباتی قسم کے پوسٹر لگائے گئے ایک اخبار میں بھی اشتہار دیا گیا۔ اس انتہائی حساس جگہ پر اجتماع کے سلسلہ میں شیعہ لیڈروں کی بھاری اکثریت متفق نہیں تھی۔ آئی ایس او نے بھی بحیثیت جماعت شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر چند ائمہ مساجد اور ماتمی انجمنوں کے چند جوشیلے نوجوان کے اصرار پر یہ اجتماع ہوا اور تقریباً پانچ ہزار شیعان علیؑ اکٹھا ہو گئے۔

سوا تین بجے کے قریب جلسہ کا آغاز ہوا۔ ابھی جناب مولانا محمد جعفر صاحب تقریر کر رہے تھے کہ امام بارگاہ کے باہر ہنگامہ ہو گیا پہل کس کی طرف سے ہوئی۔ اسکا تعین کرنا مشکل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دونوں ہی فریق آمادۂ فساد تھے۔ ہاں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ جلسہ کے منتظمین اور علمائے کرام کا قطعاً کسی انتقامی کارروائی کا ارادہ نہیں تھا اور جلسہ کی اکثریت کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے کیونکہ یہاں کچھ بوڑھے لوگ بھی تھے اور بعض لوگ اپنے ساتھ کم عمر بچے بھی لائے تھے۔ اگر کسی انتقامی کارروائی کا باقاعدہ پروگرام ہوتا (جیسا کہ رنگ دیا جا رہا ہے) تو پھر نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

ہم نے ابھی عرض کیا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ دونوں ہی فریق آمادہ فساد تھے۔ تو ہمارا یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ سنی سوچ رہے ہوں گے کہ ابھی کل ہی کی تو بات ہے ہم نے کتنی محنت سے ان کی مسجدیں اور ان کی امام بارگاہیں جلائی تھیں۔ دوکانیں لوٹی تھیں، مگر یہ تو آج پھر آگئے اور بہت ہی جوش و خروش سے آئے ہیں۔ ہماری لاکھوں کی آبادی میں ان کی یہ ہمت، ہمیں تو سیاستداں حریت پسند عوام اور غیور عوام کہہ کر پکارتے ہیں۔ ہماری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ آنے والے خیریت سے واپس نہ جاسکیں اور ادھر شیعہ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مسجدیں جہاں ہم اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں، یہ امام بارگاہیں کہ جہاں رسول کے نواسے کا ذکر ہوتا ہے۔ ان میں آگ لگائی گئی۔ امام بارگاہ

گئے وہ تبرکات کہ جنہیں ہم آنکھوں سے لگاتے ہیں، پیروں کے نیچے روندے گئے۔ اور اس امام بارگاہ کا دروازہ "باب فاطمہ" تھا اور یہ لفظ دروازے کے اوپر بڑے بڑے جلی حروف میں لکھا تھا، مگر اس طرف اٹھنے والے ہاتھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ رسول کی چہیتی بیٹی کا نام ہے ——— اس فضا باقی فضا میں دونوں فریق آمنے سامنے تھے، سنی ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل آئے تھے اور امام بارگاہ کے چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ ادھر ہزاروں شیعوں کا مجمع (چند سو افراد کو چھوڑ کر جو لالو کھیت کے رہنے والے تھے) شہر کے مختلف حصوں سے آکر جمع ہوا تھا۔ جب صورت حال یہ ہو تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ پہلا پتھر کدھر سے آیا۔ فساد تو ناگزیر تھا پھر بھی لوگوں کا یہ بیان قابل ذکر ہے کہ کچھ افراد ویگنوں، سوزوکیوں وغیرہ میں کالی پٹیاں باندھے ہوئے اترے اور نعرہ حیدری، لگا کر سنی مجمع پر حملہ کر دیا اور دوسرا یہ بیان کہ کچھ لوگ سنیوں کو بطور خاص سوزوکیوں میں گودھرا سے لائے تھے۔

بہرحال جب فساد شروع ہو گیا تو دس نمبر کے چوراہے سے لیکر نیرنگ سینما کی طرف خاصے بڑے حصہ پر تقریباً ایک ہزار شیعہ چاروں طرف پتھروں کے تبادلے میں مصروف تھے۔ پولیس کبھی شیعوں کی طرف شیلنگ کرتی اور کبھی سنیوں کی طرف۔ کچھ دیر کے بعد اشک آور گیس کے شیل امام بارگاہ کے اندر بھی گرنے لگے۔ اندر سے علماء کرام بار بار بڑے بڑے واسطے دے کر اور بڑے دردمندانہ لہجے میں شیعوں سے

اپیل کر رہے تھے کہ وہ امام بارگاہ کے اندر آجائیں۔ اس اپیل کا کافی دیر
بعد اثر ہوا۔ تقریباً ساڑھے پانچ یا پونے چھ بجے لوگ اندر آگئے۔ امام
بارگاہ کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ محصور
ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایک اطلاع کے مطابق امام بارگاہ کی چھت سے فائرنگ بھی ہوتی
رہی۔ اسکو جھٹلانے کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ ہزاروں افراد۔
انتہائی جذباتی کیفیت میں ایسی جگہ پر اجتماع کرنے کے لئے پہنچیں جہاں
پر ہزاروں افراد کے استقبال کی توقع ہو تو ایسی صورت میں چند افراد کا
مسلح ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہاں یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے
کہ سنی حضرات سے انتقام لینے کی باقاعدہ منصوبہ بندی جلسہ کی
انتظامیہ یا کسی اور آرگنائزیشن کی طرف سے نہیں کی گئی تھی۔ جسکا واضح
ثبوت یہ ہے کہ جلسہ کی اکثریت امام بارگاہ کے اندر تھی اور پر امن تھی۔
اور جو باہر تھے علماء انہیں بار بار اندر آجانے کی تلقین اسپیکر سے دلا دلا
کر کر رہے تھے اور پھر یہ کہ ہجوم تقریباً دو گھنٹہ تک امام باڑہ کے باہر سڑک
کے ایک بڑے حصہ پر قابض رہا مگر کسی سنی کی ایک دوکان نہیں جلائی گئی
جبکہ پوری مارکیٹ نذر آتش کی جاسکتی تھی۔ مگر جب شیعہ امام بارگاہ
کے اندر چلے گئے تو ان کی گاڑیوں اور امام بارگاہ کی دوکانوں کو نذر
آتش کیا گیا۔ پیچھے گلی میں فوم کی دوکانوں سے فوم نکال نکال کر جلتے
ہوئے گولوں کی شکل میں امام بارگاہ کے اندر پھینکا گیا۔

امام بارگاہ کا پھاٹک بند ہوتے ہی اندر موجود افراد محصور ہو کر رہ گئے۔ کچھ دیر تک سنی عوام گھیرے رہے۔ بعد میں پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ ۲۰ علماء کرام اور تقریباً ۵۰ ۱۷ مومنین محصور تھے اور خطرہ تھا کہ صبح ہوتے ہی سنی عوام پھر اکٹھا ہو جائیں گے اور شاید خونریزی ہو گی۔ ادھر یہ افراد محصور تھے ادھر پوری قوم فکر مند تھی۔ ہیئت ائمہ مساجد کی پوری ۸ رکنی ایکشن کمیٹی اندر پھنسی ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی چند ائمہ مساجد اندر رہ گئے تھے۔ مولانا مرتضیٰ جعفر صاحب قبلہ کسی نہ کسی صورت سے امام بارگاہ کا پھاٹک بند ہونے سے پہلے باہر آ جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ مولانا محسن صاحب قبلہ کے ہاں پہنچ گئے اور صلاح مشورے شروع ہو گئے۔ اب سب کی نگاہیں ان ہی خطیب حضرات کی طرف تھیں کہ ائمہ مساجد جنکے زیادہ مخالف تھے۔ مگر اب وقت ان باتوں کا نہ تھا، قوم کے تحفظ اور وقار کا سوال سب کے سامنے تھا۔ لہٰذا مولانا طالب جوہری صاحب، اور خاص طور سے علامہ عباس حیدر عابدی صاحب نے محصورین کو نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ حکام کا مطالبہ تھا کہ فائر کرنے والے افراد کو ان کے حوالے کر دیا جائے تو باقی افراد کو جانے دیا جائیگا۔ مگر یہ ناممکن تھا، بالآخر یہ طے پایا کہ تمام افراد کی تلاشی لے کر چھوڑا جائے۔ جنکے پاس سے غیر قانونی اسلحہ نکلے صرف اسے گرفتار کیا جائے۔ علماء کو صبح تک امام بارگاہ میں رکھا جائے گا اور پھر جانے دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ان تمام امور کو طے کرانے میں علامہ عباس

حیدر عابدی صاحب پیش پیش تھے۔ آپ ہی کی کوشش سے لبسوں کا انتظام کرایا گیا۔ اور صبح چار بجے سے ایک ایک فرد کی تلاشی لے کر بسوں میں بٹھایا گیا اور یہ سلسلہ صبح چھ بجے تک جاری رہا۔ تلاشی کے دوران کسی کے پاس سے کوئی قابل اعتراض شے برآمد نہیں ہوئی۔ مگر پولیس نے جسکو چاہا الگ بٹھا دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سب گرفتار ہیں جنکی تعداد ایک سو سے کچھ اوپر تھی خلاف ہ علاوہ، علماء ایکشن کمیٹی سمیت تمام علماء کو بھی گرفتار کر لیا گیا جنکی تعداد تقریباً بیس تھی

تقریباً ایک ہفتہ بعد علماء اور دیگر چھ افراد کے علاوہ باقی افراد رہا کر دیئے گئے۔

۱۹ مارچ ۱۹۸۳ء کی صبح، شیعوں کے لئے قیامت کی صبح تھی اب تک نہیں ہوا تھا وہ اب ہونا شروع ہوا۔ اب عبادت گاہوں کے ساتھ گھر بھی جلائے جانے لگے۔ پولیس من موڈ پر تھی اور اندر بستی میں، بستی ہی والے اپنے پڑوسیوں کے گھر جلوا رہے تھے۔

اس صورت حال پر غور کرنے کے لئے ۲۰ مارچ ۱۹۸۳ء کو مولانا محمد محسن صاحب قبلہ کے ہاں ایک میٹنگ ہوئی اور صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے "شیعہ کونسل" تشکیل دی گئی۔ کونسل کے چند ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ابن حسن صاحب نجفی، مولانا عابد شبر صاحب، مولانا محمد محسن صاحب، مولانا طالب جوہری صاحب، مولانا عباس کمیلی

صاحب، پروفیسر علی رضا شاہ صاحب، جناب آفتاب عالم قزلباش (ایڈووکیٹ) اور جناب مظہر تقی رضوی صاحب۔

اس کونسل نے بحالی امن کی کوششیں کیں۔ اسکے ممبران نے گورنر سے ملاقات کی۔ گورنر نے پولیس فورس بڑھانے کا وعدہ کیا چنانچہ متاثرہ علاقہ میں پولیس فورس کی نفری بڑھادی گئی۔ اور کرفیو لگا دیا گیا۔ وقتی طور سے امن وامان قائم ہوگیا۔

گولیمار کے حالات:

گولیمار کا علاقہ خلاف توقع (لیاقت آباد کے مقابلے میں) پرامن رہا۔ گھر جلانے کے اکا دکے واقعات ہوئے اور ایک بزرگ استاد جناب منظور حسین کے بھرے بازار میں چھرا گھونپ دیا گیا۔ آپ گھر سے دودھ لینے نکلے تھے مگر واپس گھر جانا نصیب نہیں ہوا۔ ہسپتال لے جائے گئے جہاں دم توڑ دیا۔

۱۲۔ اپریل کا ھنگامہ

تقریباً پندرہ دن کے سکون کے بعد ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۸۶ کی رات کو سی ایریا لیاقت آباد میں فسادات کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا، اس سلسلہ فساد میں اتنے گھر جلے کہ پچھلے فسادات ماند پڑ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ ان فسادات کی ابتداء کسی غلط فہمی سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں مختلف حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان سب میں مشترکہ بنیادی نکتہ یہی ہے کہ سنیوں کی آپس کی لڑائی میں ایک قتل ہوگیا۔

اور چرچا یہ ہو گیا کہ کسی شیعہ نے قتل کر دیا ہے اور پھر صبح ہوتے ہوتے جتنے منہ اتنی باتیں۔ پورے لالوکھیت میں یہ بات پھیل گئی۔ قتل کی یہ داستان ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں سنا رہا تھا۔ ان رنگ آمیزیوں کے ساتھ مقتولین کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ چھ کی تعداد بھی سننے میں آ گئی۔ اس غلط فہمی کے بارے میں دوسرے دن حکومت کی جانب سے ایک پریس نوٹ بھی آ گیا مگر اس پریس نوٹ نے بھی سنی حضرات کے جذبات ٹھنڈے کرنے میں کوئی مدد نہیں کی۔

وہ گھر جنکے جلنے کا سلسلہ ۱۱ اپریل کی رات سے شروع ہوا تھا ۱۳ اپریل تک جلتے رہے۔ اس بلّے میں سوائے سی ایریا کی مسجد اور امام بارگاہ امامیہ کے لیاقت آباد میں نہ کوئی مسجد آگ سے بچی اور نہ کوئی امام بارگاہ۔ ۱۲ اپریل کو مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں بری طرح سے تباہی مچائی گئی جبکہ یہ امام بارگاہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۳ء کے فساد کے بعد سے باقاعدہ طور پر حکومت کی حفاظتی تحویل میں تھی۔ یہ تباہی ایسی تھی کہ راہ چلتا آدمی بھی اچھی طرح سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ تباہ کاروں کو کئی گھنٹے کی کھلی چھٹی دی گئی ——— امام بارگاہ کا آہنی پھاٹک آگ لگا کر گرا دیا گیا تھا۔ امام بارگاہ کی بیرونی چہار دیواری کے پیچھے گھس چلا چلا کر توڑے گئے تھے، اندر امام بارگاہ اور مسجد میں بھی تباہی مچائی گئی تھی۔ مسجد اور امام بارگاہ کا سارا

سامان لوٹ لیا گیا تھا یا نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ امام بارگاہ کے کتب خانہ کو بھی آگ لگا دی گئی تھی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر پولیس کا کہیں پتہ نہ تھا ——— اور اسی طرح سے مین روڈ لیاقت آباد سپر واقع "مسجد اثنا عشری" اس طرح سے جلائی گئی کہ ہر گزرنے والے کی نگاہ کا مرکز بن جاتی۔

ہم نے یہ نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ۱۲ اپریل کو رات کے تقریباً ۸½ بجے تھے۔ مین روڈ پر ہلکا ٹریفک چلنے لگا تھا۔ کہیں کہیں پولیس کے ٹرک کھڑے نظر آرہے تھے۔ دس نمبر کے چوراہے پر ایک ٹرک اور ایک جیپ فوج کی کھڑی تھی۔ ہم سمجھے کہ چلو معاملہ ختم ہو گیا مگر جب ہم چار نمبر لیاقت آباد کے اندر داخل ہوئے تو ہم نے دور سے دیکھا کہ دو گلیوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ادھر سے ادھر پھر رہی ہیں اور کچھ لوگ گلیوں میں سڑکیں توڑ کر رکاوٹیں بنا رہے ہیں۔ انتظامیہ کا یہ طرز عمل کیوں تھا ہمیں نہیں معلوم۔ حالانکہ اس سے پہلے ۱۲ فروری ۱۹۸۳ء اور ۱۸ مارچ ۱۹۸۳ء کے سلسلہ ہائے فسادات میں انتظامیہ کا یہ طرز عمل اس حد تک افسوسناک نہ تھا۔

انتظامیہ کے اس طرز عمل پر ہر شخص حیران تھا، شیعہ بے چین تھے اور قومی درد رکھنے والے شیعہ عوام امام بارگاہ شاہ خراسان سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے کہ ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء کو ڈیفنس سوسائٹی کی امام بارگاہ میں جلسہ ہونے کی اطلاع ملی۔ لوگ گیارہ بجے دن سے وہاں اکٹھا

ہونا شروع ہو گئے اور تقریباً ۳ بجے تک دو ہزار افراد کا مجمع اکٹھا ہو گیا بغیر کسی پبلسٹی کے دور دراز علاقہ میں اتنا مجمع اکٹھا ہو جانا قوم کے شدید جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔

تھوڑے تھوڑے وقفہ سے علما و خطبا بھی جمع ہو گئے۔ یہاں جو ممتاز شخصیتیں جمع ہوئیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا علی مدد صاحب (ہیئت ائمہ مساجد) مولانا عباس کمیلی صاحب۔ مولانا عباس حیدر صاحب عابدی۔ علامہ عرفان حیدر صاحب عابدی پروفیسر علی رضا شاہ صاحب نقوی صغیر حسین صاحب جعفری ایڈوکیٹ اور جناب محمد حسین دھانجی۔

عوام جلسہ شروع ہونے سے پہلے ہی انتہائی جذباتی ہو رہے تھے۔ جب جلسہ شروع ہوا اور تقریروں نے ذرا طول کھینچا تو مجمع مشتعل ہونے لگا ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہمیں تقریریں نہیں فیصلہ چاہئیے۔ ہم کٹنے مرنے کو تیار ہیں، ہم انتقام لیں گے۔ جب مجمع تقریباً بے قابو ہو گیا اور مقررین کو بات کرنا دشوار ہو گیا تو صدر جلسہ مولانا علی مدد صاحب کھڑے ہوئے مگر مجمع کا وہی انداز رہا تو دو تین منٹ تک دو تین افراد میں کچھ کھسر پھسر ہوئی اور پھر مولانا علی مدد صاحب کے کان میں کچھ کہا گیا چند لمحوں بعد علی مدد صاحب نے اعلان کر دیا کہ پرسوں ۱۵ اپریل مارٹن روڈ کی امام بارگاہ میں بعد نماز جمعہ جلسہ ہوگا۔ غالباً آخری تقریر علامہ عرفان حیدر صاحب کی تھی۔ آپ نے انتہائی جوشیلی تقریر کرتے ہوئے

فرمایا کہ برسوں کے جلسہ میں ہمیں کم از کم ایک لاکھ آدمی چاہئیے۔
اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر جلسہ کے التواء کا اعلان ہم سے منسوب کر کے بھی
کیا جائے تو آپ یقین نہ کیجئے گا۔
اس کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ لوگ خوش اور مطمئن تھے کہ
اب کچھ کرنے کا وقت آ گیا۔ اس اطمینان کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ جا گاہ
میں پر زور الفاظ کے ساتھ یقین دلایا گیا تھا کہ اب صاحبان محراب و منبر
میں اتحاد قائم ہو چکا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ بات خیال و خواب ثابت ہوئی
۱۴ اپریل سنہ ۱۹۹۴ء کو امام بارگاہ شاہ نجف مارٹن روڈ کی چھت
پر ایک بم پھٹا۔ جس میں ایک نوجوان زخمی ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بم بنا رہا
تھا چنانچہ زخمی نوجوان اور دوسرے سات افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔
مارشل لاء کورٹ سے قید اور کوڑوں کی سزا ہو گئی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد
زخمی نوجوان کو چھوڑ کر باقی افراد کی سزا معاف کر دی گئی۔
ادھر امام بارگاہ ڈیفنس سوسائٹی کے جلسہ کے بعد خطباء جلسہ اور
حکام بالا کے درمیان سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی۔ چنانچہ دوسرے
دن یعنی ۱۴ اپریل کو گورنر سے ان خطباء کی ملاقات ہوئی۔ ابھی
ملاقات کا سلسلہ جاری تھا کہ امام بارگاہ میں بم پھٹنے کی اطلاع آئی
اور تمام خطباء کے چہرے اتر گئے۔
رات ہوتے یہ خبریں پھیلنا شروع ہو گئیں کہ کل کا ہونے
والا جلسہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی ہزاروں افراد کو یقین نہیں

آیا اور وہ بجے کے وقت پر مارٹن روڈ پہنچنا شروع ہو گئے۔ وہاں کی حالت یہ تھی کہ پولیس نے ہر اُس راستہ کو بلاک کر دیا تھا کہ جو امام بارگاہ تک پہنچتا تھا۔ اندر بستی کی گلیوں تک میں فوج اور پولیس کا پہرہ اس طرح لگایا گیا تھا کہ امام بارگاہ کے دروازے تک کوئی نہ پہنچ سکے۔ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں کوارٹروں کی گلیوں میں امام بارگاہ کے چاروں طرف منڈلاتے رہے۔ چند سو نوجوانوں کا ہجوم ماتم کرتا ہوا امام بارگاہ کے دروازے تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ مولانا علی مدد صاحب، علامہ عباس حیدر عابدی، علامہ عرفان حیدر عابدی اور جناب صفیر حسین جعفری (ایڈووکیٹ) وہاں موجود تھے کہ مجمع کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیں گے مگر وہاں کون کسی کی سننے کو تیار نہ تھا۔ عجب افراتفری کا عالم تھا۔ کسی نے ایک ڈی ایس پی کو چاقو مار کر زخمی کر دیا۔ دو تین اور افسروں کے چوٹیں آئیں۔ خود موقعہ پر موجود علماء پر دست درازی کی کوشش کی گئی۔ بہر حال جب صورت حال قابو میں نہیں آئی تو ہجوم پر شیلنگ کر دی گئی تو لوگ بھاگ گئے۔ تقریباً تین سو افراد امام بارگاہ میں داخل ہو گئے اور نماز جمعہ ادا کی ــــــــ نماز کے بعد ان تمام افراد کو گرفتار کر کے مختلف تھانوں میں بھیج دیا گیا۔

امام بارگاہ کے باہر کا حال یہ تھا کہ کچھ لوگ قرب و جوار کی گلیوں میں منڈلا رہے تھے اور کچھ جہانگیر روڈ پر کھڑے تھے۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد مختلف تھانہ خراسان پہنچ چکی تھی۔ جہاں چاروں

طرف فوج اور پولیس کا پہرہ تھا۔ عام لوگ افسردگی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نوجوان ادھر سے ادھر مشتعل پھر رہے تھے۔ جنکا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ ہاں کچھ نوجوانوں کے منہ یہ ضرور سنا کہ عباس کمیلی صاحب آئے تھے اور پھر آنے کا کہہ گئے ہیں۔ مگر وہ اسوقت وہاں پہنچے جب چاروں طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

غازی اعظم کے مزار کے سامنے جہاں سے راستہ امام بارگاہ کو جاتا ہے وہاں فوج اور پولیس متعین تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلہ سے ایک رسی باندھ دی گئی تھی اور اسی کے اندر ہجوم تھوڑی تھوڑی دیر بعد فلک شگاف نعرے لگا رہا تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً ۶ بجے شام تک جاری رہا۔

یکایک ایک نوجوان ایک چھوٹا سا علم سجائے اسی رسی کی طرف جاتا نظر آیا۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے رسی کے قریب ماتم ہوتا رہا۔ اچانک تقریباً سو نوجوان ماتم کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور فوج و پولیس کے قریب پہنچ گئے تو شیلنگ کر دی گئی۔ پھر چاروں طرف سے شیلنگ شروع ہو گئی۔ تقریباً پچھتر افراد گرفتار کر لئے گئے۔ مارٹن روڈ اور خراسان کے گرفتار شدگان میں سے بہت سے افراد مختلف وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر چھوڑ دئے گئے۔ مگر پھر بھی سینکڑوں افراد کو سمری ملٹری کورٹ سے دس دس کوڑوں اور ایک ایک سال قید کی سزا ہو گئی۔ یہ سب کچھ دو دن کے اندر ہو گیا۔ دو دن پہلے لیاقت آباد کے چالیس سنیوں

کو کوڑے لگ چکے تھے۔ ایک ایک سال کی سزا ہو چکی تھی اور اسطرح سے ہنگاموں کا یہ تیسرا ایکٹ ختم ہوا۔ اب سب کی سزائیں بھی معاف ہو چکی ہیں

اب دیکھئے آنے والا محرم کیا رنگ دکھاتا ہے۔

یاد رکھنے کے قابل باتیں:

لیاقت آباد میں جتنے بھی گڑ بڑ ہوئے — اہلیان لیاقت آباد نے بتلائے یہ باتیں کہ یہ سب کچھ باہر والوں نے کیا، صرف وہی لوگ کہہ سکتے ہیں کہ بغیر سوچے لیتے ہیں یا خود علم نہیں رکھتے اور سنی سنائی بات کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔

ہم نے تو خود ان وارداتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ مگر جس کا ذاتی مشاہدہ نہیں بھی ہے وہ بھی اگر ذرا غور کرے تو ہمارے دعوے کی تصدیق ہو جائیگی۔

آتش زنی کا افتتاح تو یہ تک باہر سے آنے والوں نے کیا تھا کہ جو ۲۱ فروری ۱۹۸۳ء کو مسجد باب رحمت پرانی نمائش سے بھرے ہوئے آئے تھے انہوں نے لیاقت آباد کی مین روڈ پر واقع مسجد اثنا عشری اور دس نمبر لیاقت آباد پر واقع مسجد اور مرکزی امام بارگاہ کے دروازوں اور دو دکانوں کو آگ لگائی اور کچھ دوسری دو دکانوں پر پتھراؤ کیا اور شام ہوتے چلے گئے۔

دوسرے دن یعنی ۲۲ فروری کو سواد اعظم کی طرف سے ہڑتال کی اپیل کی گئی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس دن بھی باہر سے لوگ آ گئے ہوں اور ہنگامہ کرا دیا ہو۔ مگر کچھ مقامی لوگ بھی یقیناً شریک ہوئے۔ اس دن بھی معاملہ مین روڈ ہی تک رہا۔ مگر ۱۸ مارچ ۱۹۸۳ء کو ہنگاموں کا جو دوسرا دور شروع ہوا وہ

سو فیصد مقامی لوگوں کا تھا ـــــ یہ ممکن نہیں کہ صبح سے شام تک مسلسل دو دن تک باہر کے لوگ کسی بستی کے گھر جلاتے رہیں اور پھر دو دن قیام فرما کر اطمینان سے واپس چلے جائیں ۔ ہاں بعض صورتوں میں ایسا ہوا کہ جس گلی کا گھر جلایا جا رہا ہو، جلانے والوں میں قریب کی گلیوں کا کوئی آدمی نہ ہو اور پھر یہی صورت آخری راؤنڈ میں ہوئی کہ تین دن تک گھر جلائے جاتے رہے ـــ کیا پھر تین دن کے لئے لوگ باہر سے مہمان آ گئے تھے اور پھر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ ان مہمانوں کے لئے کس نے نشان دہی کی کہ یہ گھر شیعہ کا ہے اور یہ دکان شیعہ کی ۔

ہم نے جو نقشے دیکھے وہ یہ تھے کہ ۱۹ مارچ کو بڑے ابتدائی ہجوموں کے بعد چھوٹے چھوٹے ہجوم آگ لگاتے پھر رہے تھے اور لوگ اپنے اپنے دروازوں کے آگے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے ۔ اور بعض تفریح لے رہے تھے ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ چند شریف آدمیوں نے شیعوں کے گھروں کو بچانے کی کوشش کی ۔

دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ صرف لیاقت آباد میں ۱۸۸ گھر اور ۴۳ دوکانیں جلائی گئیں ۔ وہ امام بارگاہ کہ جو حکومت کی تحویل میں تھی اسطرح برباد کی گئی کہ ہر دیکھنے والے نے کہا کہ یہ کام کئی گھنٹوں کی فرصت کا ہے سوال یہ ہے کہ اتنی فرصت کیوں دی گئی ۔ اسلامی حکومت کے دعویداروں نے ہندوستان کے ہندو مسلم فسادات کی یادیں کیوں تازہ کردی کہ پولیس تماشہ دیکھ رہی ہے اور مسلمانوں کے گھر جل رہے ہیں ۔

ہو سکتا ہے کہ ایڈمنسٹریشن کا یہ طرز عمل ۱۹۸۰ء کے اسلام آباد کے

کنونشن اور بندر روڈ پر فروری ۱۹۸۳ء میں حکام بالا کو زچ کرنے کا نتیجہ ہو
اگر واقعی یہی بات ہے اور قانون کے محافظوں نے اسطرح انتقام لیا ہے
تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ قانونی تحفّظ سے محروم محبِ وطن اقلیتیں یہ سوچنا
شروع کر دیتی ہیں کہ ہمیں عزّت سے جینے کے لئے خود اپنے قوتِ بازو پر
بھروسہ کرنا ہے اور یہ سوچ ملک کو بدامنی اور انتشار کی طرف لے جاتی ہے۔

ہم آخر میں اپنے صدر مملکت کو ہاتھ جوڑ کر یاد دلائیں گے کہ آپ نے
کراچی کے دورے کے موقعہ پر فرمایا تھا کہ دنیا میں ایسے واقعات ہوتے رہتے
ہیں ...... ہمیں بھی اس سے انکار نہیں ہے۔ مگر جہاں ایسے واقعات ہوتے
ہیں وہاں دنیا تھوکتی بھی ہے ...... چلئے گھروں کو جلنے دیجئے ....
مسجدوں اور امام بارگاہوں کے جلنے پر بھی آپ کا دل نہیں دکھتا ......
کیا ایسے واقعات بھی دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ
مسجد اقصیٰ جل گئی تو پاکستان میں کہرام مچ گیا۔ کیا لیاقت آباد میں جلنے
والی مساجد مسجد اقصیٰ سے کم ہیں ؟؟ ہرگز نہیں! سوا اس کے کہ اسے
کچھ خصوصیت حاصل ہے۔

صدر محترم! ہمیں آپ کا یہ فقرہ دہرانے کی جرأت اس لئے ہوئی
کہ آپ کے منہ سے نکلا ہوا بظاہر ایک معمولی سا فقرہ شیعہ قوم کے دل کا ناسور
بن گیا۔ مگر آپ کو علم نہیں کہ آپ کیا کہہ گئے۔

پانچواں باب

رہبرانِ قوم

کربلا میں تو گنہگار ہوں لیکن وہ لوگ
جن کو حاصل ہے سعادت تری فرزندی کی
جسم ہے، روح سے احساس سے عاری کیوں ہیں
مصطفیٰ زیدی

ہم اس باب میں صاحبانِ محراب و منبر پر قلم اٹھانے کی جسارت کر رہے ہیں،
پہلے ہم کچھ حضرات پر براہ راست گفتگو کریں گے تاکہ ان کی سوچ کا پتہ چل جائے اور
پھر دو اہم شیعہ تنظیموں کا تعارف کرائیں گے اور واقعات کی روشنی میں عمومی تجزیہ
کریں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ صورتحال واضح ہو سکے
فسادات سے پہلے شیعہ قوم کے سامنے دو ایسے حضرات تھے کہ جنکا نام
آیا اور لوگوں نے منہ بنایا۔ یعنی علامہ عباس حیدر صاحب عابدی اور علامہ
سید محمد رضی، رکن مجلس شوریٰ۔
علامہ رضی صاحب پر منہ بنانے کی عام وجہ ان کی اسلامی نظریاتی،
کونسل اور مجلس شوریٰ کی رکنیت ہے۔ لیکن اس جمہوری دور میں کسی ریاستی
ادارہ کا رکن بننا کوئی بری بات نہیں ہے۔ دراصل بری بات جب ہوتی ہے
کہ قوم کی وجہ سے رکنیت ملے اور قوم کی صحیح اور مؤثر نمائندگی نہ کی جائے
یا ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی جائے یا مکمل غداری کی جائے۔

علامہ رضی صاحب کے لئے یہی سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے قوم کی مؤثر نمائندگی نہیں کی اور کچھ مثالیں ایسی ہیں کہ جنکی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے بعض اوقات قومی مقاصد کو پس پشت ڈال دیا۔ اسکی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں مگر سب سے واضح بات یہی نظر آتی ہے کہ آپ نے کبھی اپنی کسی ادارہ کی رکنیت کو خطرہ میں ڈالنا گوارا نہیں کیا جبکہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کی مثال موجود ہے کہ آپ نے کئی بار قومی مفادات کی خاطر اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دیا۔

پہلے ہی سے قوم ان سے ناراض تھی اور انھیں اپنے درمیان دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا حالیہ قومی بحران میں ان کا قوم کے درمیان نہ ہونا اور کوئی قابل ذکر کام نہ کرنا، کوئی خاص بات نہیں۔

اسی طرح کی ایک اور شخصیت علامہ عباس حیدر صاحب عابدی کی ہے کہ قوم ان سے بھی بدظن ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس بات سامنے نہیں آسکی کہ ایسا کیوں ہے۔ سوا اسکے کہ بعض حکام بالا سے آپکے ذاتی تعلقات ہیں۔ اس کے علاوہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی حکومت کے ساتھ کوئی وابستگی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء کو ڈیفنس سوسائٹی کی امام بارگاہ میں لوگوں کے اس مطالبہ پر کہ آپ اپنی حکومت سے وابستگیاں ختم کردیں فرمایا تھا کہ پہلے آپ میری کوئی وابستگی ثابت تو کیجئے تو پھر میں انہیں ختم کرنے کا اعلان بھی کردونگا

حالیہ قومی بحران کے دوران علامہ صاحب کی وہ خدمات کہ جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ہم پیش کئے دیتے ہیں تاکہ ان کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے

میں آسانی ہو۔

۱۔ گودھرا کے سانحہ کی خبر سن کر بہت سے علماء و خطباء جائے وقوع پر پہنچے مگر آپ نہیں پہنچ سکے۔ کیونکہ آپ کو اس بات کا یقین ہو گا کہ قوم وہاں آپ کی موجودگی کو قبول نہیں کرے گی جیسا کہ سانحہ خراسان کے موقعہ پر ہو چکا تھا۔

۲۔ جب ایم۔ اے۔ جناح روڈ پر لوگ دھرنا دیکر بیٹھے اور علماء ایکشن کمیٹی کے سخت ترین موقف کی وجہ سے صورت حال نازک ہوتی جا رہی تھی تو علامہ صاحب نے در پردہ اصلاح احوال کے لئے کوششیں شروع کر دیں پہلے گورنر ہاؤس میں اور پھر ایم۔ اے۔ جناح روڈ کے قریب ہی ایک بنگلہ میں کئی اہم شخصیتوں کے ساتھ ملکر ساری رات حکومت اور علماء ایکشن کمیٹی کے درمیان معاہدہ کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ ہارون فیملی کی ایک شخصیت علماء ایکشن کمیٹی اور ان حضرات کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنی اور کافی ردو کد کے بعد معاہدہ طے پایا اور دھرنا ختم ہوا۔

۳۔ جب لیاقت آباد کی امام بارگاہ میں تقریباً دو ہزار شیعہ محصور ہو گئے تو آپ تمام رات کوشش کرتے رہے کہ صبح ہونے سے پہلے محصورین بحفاظت اپنے اپنے گھروں کو پہنچ جائیں اور جب حکام بالا اس بات پر تیار ہو گئے تو علامہ صاحب نے بسوں کا انتظام کیا اور صبح چھ بجے تک امام بارگاہ خالی ہو چکی تھی۔

۴۔ ۱۹ مارچ ۱۹۸۳ء کو جب شیعوں کے گھر جلنا شروع ہوئے تو مولانا محسن صاحب قبلہ کی کوششوں سے امامیہ کونسل تشکیل پائی اور اسکے کنوینئر آپ ہی

بنائے گئے۔ اور اس حیثیت سے آپ نے امدادی کام کیے اور بحالی امن کی کوششیں کیں۔

۵۔ امام بارگاہ ڈیفنس سوسائٹی کے جلسہ میں بھی آپ نے شرکت کی۔

۶۔ مولانا علی مدد صاحب اور علامہ عرفان حیدر صاحب کے ہمراہ امام بارگاہ شاہ نجف مارٹن پہنچے تاکہ لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کیا جا سکے۔

۷۔ علماء ایکشن کمیٹی کے مولانا محمد موسیٰ صاحب نے اپنی رہائی کے لئے علامہ صاحب کو خط لکھا اور آپ نے ان کی رہائی کی کوشش کی (مولانا محمد موسیٰ اور مولانا علی مدد کے اختلافات کی بنیادی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے)

علامہ عباس حیدر صاحب عابدی کی خدمات جو کچھ ہمارے علم میں تھیں۔ ہم نے تحریر کر دیں۔ ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ آپ نے ہم سے ملاقات کے دوران شیعوں پر طنز کرنے کی بجائے (جیسا کہ ایک مولانا نے کیا جسکا ذکر ہم اگلے صفحات میں کریں گے) ہمدردانہ لہجہ اختیار کیا۔

ہم نے تمام حضرات کی خدمات کا جائزہ لینے کے لئے ایک ہی اصول کو پیش نظر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دربار حسینی کی خدمات سے لاکھوں کماتا ہے تو حسین کی عزاداری اور امام بارگاہوں کے تحفظ اور وقار کا مسئلہ پیدا ہو تو وہ کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ دل و جان سے قوم کی رہنمائی کرے اور اگر کسی سرکاری ادارے میں قوم کے نمائندے کی حیثیت سے یا حسینی پلیٹ فارم کے طفیل حاصل کی ہوئی

شہرت کی بنا پر جائے تو پھر ادارے کی رکنیت کو قوم کی خاطر ٹھوکر مارنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو۔

اسی اصول کے تحت علامہ عباس حیدر عابدی کی شخصیت کا بھی جائزہ لینا چاہیئے۔

۱۔ آپ عابدی لمیٹیڈ کے مالک ہیں اور آپ کے پاس دولت ہے تو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اور حکام بالا سے تعلقات بھی ان کا ذاتی معاملہ ہے۔

۲۔ ہم نے جس حد تک غور کیا ہمیں علامہ عباس حیدر صاحب عابدی کی ایک ہی کمزوری نظر آئی کہ آپ کبھی کوئی ایسی قومی خدمت انجام نہیں دے سکے جس کی وجہ سے حکام بالا سے آپ کے تعلقات بنتا ہوں۔

۳۔ ہم ان سے مندرجہ بالا اصول کے تحت ہر قسم کی قربانی کی توقع نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی قوم کی رہنمائی ان پر فرض سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے نہ تو قوم سے کوئی قابل ذکر دولت حاصل کی اور نہ ہی قوم کے پلیٹ فارم سے مشہور ہو کر کوئی عہدہ لیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اب تک محض چند عشرے پڑھے ہیں۔

۴۔ آپ کی جو کچھ بھی قومی خدمات ہیں۔ وہ محض آپکے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہیں۔ اگر اثر و رسوخ ختم ہو جائے تو ان کی قابل ذکر خدمات بھی ختم ہو جائیں گی۔

اب ہم ان شخصیتوں کا ذکر کرینگے کہ جو بڑی بڑی مجلسوں سے خطاب

کرتے تھے۔ ان میں جوش و ولولہ پیدا کرتے تھے۔ مگر اس قومی بحران سے الگ تھلگ رہے۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے علامہ عقیل ترابی صاحب کا نام لیں گے۔ ہم نے اس کتاب کے سلسلہ میں تقریباً ان تمام علماء و خطبا سے شرف ملاقات حاصل کیا کہ جنھوں نے اس بحران میں قوم کا نمایاں طور سے ساتھ دیا۔ چونکہ علامہ عقیل ترابی صاحب قوم سے الگ تھلگ رہے لہٰذا ہم نے بھی ان سے ملاقات کی کوشش نہیں کی مگر ٹیلیفون پر دو باتوں کی وضاحت ضرور چاہی۔ ہم وہ باتیں ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔

ہم نے سب سے پہلے علامہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی سے فرمایا کہ "قوم میرے لئے مرگئی اور میں قوم کے لئے مرگیا" علامہ صاحب بولے یہ عوام الناس کا فقرہ ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ اسکی تردید کرتے ہیں؟ فرمانے لگے آپ خود سمجھ سکتے ہیں پھر ہم نے پوچھا کہ آپ قومی بحران میں قوم سے الگ تھلگ کیوں رہے؟ فرمانے لگے۔ بعض شرعی وجوہ کی بنا پر ـــــ مر بات کے بعد علامہ صاحب فرماتے رہے کہ میری ہمدردیاں قوم کے ساتھ ہیں میری دلی دعائیں قوم کے ساتھ ہیں۔

اس سلسلہ کی دوسری شخصیت نصیر اجتہادی کی ہے۔ آپ بھی بڑی بڑی مجلسوں سے خطاب فرماتے تھے۔ علی ازم، علی ازم کے نعرہ لگاتے تھے۔ صدر مملکت پر فقرے کستے تھے۔ مگر تشویش کی کیفیت

ملی تو انداز ہی بدل گئے۔ قوم شدید بحران میں رہی۔ آپ اسلام آباد میں رہے۔ کبھی جسمانی طور سے، کبھی روحانی طور سے، آپ کی کوئی خاییت عوام پر ظاہر نہیں ہو سکی۔ سوا لفاظی کے۔ یا پھر آپ کا چاروں خلفاء کے بارے میں وہ اخباری بیان کہ جس سے شیعوں کا دل دکھا اور جسے سنیوں نے خوشامد اور منافقت جانا۔ کیونکہ اس سلسلہ میں شیعہ عقیدہ سے واقف ہیں۔

مفتی نصیر اجتہادی صاحب کے لئے قوم کے خیالات کبھی اچھے نہیں رہے۔ مگر ان کے علم و فن کی وجہ سے ہزاروں افراد ان کی مجلس میں ہوتے اور داد تحسین دیتے مگر اب ان کی شخصیت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ دیکھیں قوم ان سے کیا سلوک کرتی ہے۔

اب ہم مولانا طالب جوہری صاحب کا ذکر کرینگے کہ جو بہت سی بڑی مجلسوں سے خطاب کرنے کے علاوہ نشتر پارک کی مرکزی مجالس سے بھی خطاب فرماتے تھے اور قوم کے سامنے ان کا کوئی برا پہلو نہیں تھا قوم ان کا احترام بھی کرتی تھی مگر حالیہ بحران کے دوران لوگ ان سے بدظن نظر آنے لگے۔ بات یہاں تک بڑھی کہ مولانا کو انہیں لوگوں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا کہ جنہیں قوم بر سر منبر دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ہم اس بات پر بہت حیران ہوتے۔ مگر ہماری حیرانی مولانا طالب جوہری صاحب سے ملاقات کے بعد ختم ہو گئی۔ ہم نے اپنے کانوں سے وہ سنا کہ جسکی ہمیں توقع نہیں تھی، ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی سن لیجئے تاکہ

ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔

جب ہم نے مولانا طالب جوہری سے اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے سوالات لکھکر دے دیجئے کیونکہ ہم تحریری جواب دینا چاہتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو آپ سے گفتگو کرنا چاہتے تھے اگر آپ تحریری صورت کو بہتر سمجھتے ہیں تو بھی ہمیں بعض باتوں کی وضاحت چاہئے ہوگی۔ کہنے لگے وہ ہو جائے گی۔

جب مولانا صاحب کے تحریری جواب سامنے آئے تو وہ ایسے لگے کہ جیسے کوئی عالمی سیاستدان کسی اخباری نمائندے کو دیتا ہے۔ گول مول، محتاط اور مختصر۔ ہم نے اب تک جتنے علماء سے گفتگو کی سب نے ہمارے سوالوں کے جواب میں اس قومی بحران کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی، اپنی اور دوسروں کی خدمات کی وضاحت فرمائی۔ بالکل ذاتی نوعیت کے سوالوں کے جواب بھی دئے۔ مگر مولانا طالب جوہری صاحب نے پہلے تو صرف تحریر پر ٹالنا چاہا مگر پھر ہمارے اصرار پر زبانی وضاحتوں پر بھی آمادہ ہو گئے۔ پہلے تو محتاط انداز سے جواب دیتے رہے پھر ذرا جذباتی ہوئے تو احتیاط کا دامن چھوٹ گیا اور ایسی صاف گفتگو کی کہ ان کی فکر بالکل واضح ہو گئی۔ اور اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہم صرف امن قائم کروانے کے حق میں تھے (حالانکہ لیاقت آباد کی تمام شیعہ مسجدیں اور امام بارگاہیں اور سینکڑوں مکانات اور

نہ ہو کا نہیں جل چکی تھیں) ہماری قوم اقلیت میں ہے لیکن مزاج اکثریت کا ہے (یہ فقرہ طنزاً ارشاد فرمایا) ڈیفنس سوسائٹی کی امام بارگاہ میں جلسہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ مارٹن روڈ کی امام بارگاہ میں جلسہ کا اعلان بھی نہایت غلط تھا (حالانکہ ڈیفنس میں جلسہ کا پروگرام اسوقت بنا تھا کہ جب گھر جلتے ہوئے چوبیس گھنٹے گذر چکے تھے اور ۱۳؍اپریل کو جب جلسہ ہو رہا تھا اسوقت بھی گھر جل رہے تھے)۔ مارٹن روڈ کے جلسہ کے التوا کے اعلان کے باوجود لوگ کیوں پہنچ گئے تو ان تمام مصیبتوں کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہم ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے سوا اس کے کہ ہم انہیں نیاز کباب بھیج دیں۔ یہ فقرے طنزیہ انداز سے کہے گئے۔ اس سلسلہ میں جو مختصر سی تفصیل ہم نے دی ہے اسی کو دوبارہ پڑھئے تو اندازہ ہو جائیگا کہ مولانا کا یہ بیان اور یہ انداز کتنا ظالمانہ تھا۔) قوم ہمیں جو کچھ دیتی ہے ہمارے ٹیلنٹ کی وجہ سے دیتی ہے اور ہم اس کے بدلے ہیں اسے رلاتے ہیں، ثواب دلواتے ہیں، قرآنی آیات دیتے ہیں اور اسطرح سے قوم کا ایک گھنٹہ بہت اچھا گذرتا ہے۔ ایک عالم اور خطیب کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم قوم کو کسی بحران سے نکالنے کی کوشش کریں اور نہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم قومی مسائل کے لئے قربانیاں دیں ہماری بھی وہی ذمہ داریاں ہیں کہ جو ایک عام شیعہ کی ہیں۔

مولانا طالب جوہری صاحب کی گفتگو کا یہ آخری حصہ ذہن

پیر تھوڑے برسانے کے لئے کافی ہے۔ ان کی اس واضح گفتگو سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک مجلس پڑھنا محض ایک پیشہ ہے کہ جیسے اور دوسرے پیشے۔ کام کیا اور معاوضہ مل گیا۔ بات ختم ہوگئی لہٰذا اب پوری قوم یہ سمجھ لے کہ مولانا طالب جوہر صاحب قبلہ کا تعلق اداکاری کے پیشے سے ہے اور وہ مجلس کو ڈرامہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کامیاب اداکاری کی اور قوم نے انہیں بھاری معاوضہ دے دیا ایک ٹیلنٹڈ اداکار کو معقول معاوضہ مل گیا، بات ختم ہوگئی —— مگر سوداگری کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ کیا اس حسینی سوداگر کو ان کا بھی پاس نہیں۔"

جوش ملیح آبادی کو خون حسین میں لقمہ تر کرنے کی شکایت تھی مگر قوم کو اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ قوم خوشی خوشی لاکھوں روپے سالانہ دیتی ہے اور محض اس لئے دیتی ہے کہ آپ اپنے آپ کو حسین کے لئے وقف کردیں، اطمینان سے مطالعہ کریں اور اپنے ٹیلنٹ بڑھائیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی توقع رکھتی ہے کہ اس لقمہ کا حق بھی ادا کریں۔ چلیے نہ کیجئے اس لقمہ کا حق ادا۔ آپ جانیں اور حسین جانے —— مگر آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں کس کے نمائندہ کی حیثیت سے تشریف فرما ہیں۔ قوم سے تو صرف تجارتی تعلق ہے۔

❁ ❁ ❁

ھیئت ائمہ مساجد امامیہ:

یہ تنظیم سنہ ۱۹۷۹ء میں قائم ہوئی۔ یہ تمام شیعہ مساجد کے پیش امام حضرات کی تنظیم ہے۔ مگر باضابطہ ممبروں کی تعداد جنوری سنہ ۱۹۸۲ء میں تقریباً ایک سو تھی۔ اسکے قیام کا محرک ایک پیش امام صاحب کی برطرفی تھا۔ لہذا یہ جماعت ائمہ مساجد کے حقوق کے تحفظ اور ان کی فلاح وبہبود کے لئے قائم کی گئی۔ پھر ایران کے انقلابی علماء کے وفود پاکستان آنا شروع ہوئے تو یہ جماعت زیادہ فعال ہو گئی اور نماز پڑھانے کے علاوہ نوجوانوں میں نماز روزے اور اسلامی خطوط پر صالح کردار کی تشکیل میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی سرگرمیوں سے انقلاب ایران کے اثرات جھلکنے لگے۔ ایرانی وفود کی ہدایت کے مطابق اس جماعت نے علمائے منبر یعنی خطبائے مجالس کو منبر سے محروم کرنے کا عزم کر لیا اور اس کا جارحانہ مظاہرہ پچھلے سال محرم میں رضویہ سوسائٹی کی امام بارگاہ میں علامہ عقیل ترابی صاحب کی مجالس میں دار التبلیغ کے نوجوانوں کی مدد سے کیا گیا اور ان نوجوانوں کی کئی چھوٹی موٹی جھڑپیں شرکاء مجلس سے ہوئیں۔ اس عشرۂ مجالس کی آخری شب ہیئت ائمہ مساجد کے چند جوشیلے افراد نے خطبا کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی کی مثال سے اس جماعت کی فکر کو سمجھنے میں آسانی ملے گی۔

آئی ایس او (امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن)

یہ باقاعدہ طالب علموں کی جماعت ہے۔ اس کا قیام مئی ۱۹۷۲ء میں پہلے لاہور میں ہوا۔ پھر ۱۹۷۵ء میں کراچی میں ڈومیڈیکل کالج یونٹ کا قیام عمل میں آیا اور ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء میں کراچی ڈویژن تشکیل پایا۔ اور اب یہ جماعت پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر میں قائم ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اب بھی لاہور میں ہے۔

یہ بارلیش نوجوانوں کی جماعت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد بھی نوجوانوں کو روزہ نماز کا پابند بنانا اور عورتوں کو پردہ میں بٹھانا ہے یہ خطباء کے دشمن ہیں۔ مگر جان کے نہیں، مال کے۔ انہیں اعتراض ہے کہ یہ مجلس پڑھنے والے حضرات اپنی مجالس کا بھاری معاوضہ لیتے ہیں اور مجالس میں نماز، روزہ اور خمس زکوٰۃ کی بات نہیں کرتے اور نہ ہی تعمیر کردار کی بات کرتے ہیں۔ یہ ائمہ مساجد کے حامی ہیں اور انہیں کو علماء سمجھتے ہیں، حالانکہ ہشیت ائمہ مساجد کے یا ضابطہ ممبران میں سے ایک بھی مجتہد نہیں ہے۔ ان میں سے بیشتر کی تعلیم سطحیات تک ہے۔ بیشتر حضرات مقامی مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں اور چند حضرات قم اور نجف میں کچھ عرصہ رہے ہیں۔ اس گفتگو سے ان حضرات کی توہین مقصود نہیں۔ بلکہ اصل صورت حال سامنے لانا ہے۔

ہمیں علمائے کرام، ذاتی مشاہدات اور دیگر ذرائع سے حالیہ قومی بحران کے بارے میں جو کچھ علم حاصل ہوا اسکی روشنی میں ہم مندرجہ ذیل

نتائج تک پہنچے

۱۔ ہیئت ائمہ مساجد امامیہ نے آئی۔ ایس۔ او کے ناتجربہ کار نوجوانوں کے کہنے پر سانحہ گودھرا کے پورے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور انہیں نوجوانوں کے بل بوتے پر خطبا کے معاملہ میں سخت موقف اختیار کیا اور یہ بات نقصان دہ ثابت ہوئی۔

۲۔ ایم۔ اے۔ جناح روڈ کا انتہائی پر امن مظاہرہ کم از کم پاکستان کی تاریخ کا ایک بے نظیر مظاہرہ تھا۔ مگر اس مظاہرہ میں ایرانی رنگ کے ساتھ ایک دو قابل اعتراض نعروں نے اس سنی گروپ کو جو برسوں سے شیعوں کی تاک میں تھا۔ شیعوں کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک مئوثر حربہ فراہم کر دیا۔

۳۔ علماء ایکشن کمیٹی جس فولادی عزم کے ساتھ تقریباً ۸۰ ائمہ مساجد کو لیکر ایم۔ اے۔ جناح روڈ پر دھرنا دیکر بیٹھی تھی بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ عزم کسی فکری استحکام کا نتیجہ نہ تھا بلکہ تین چار ائمہ کے جوش و خروش کا نتیجہ تھا۔ اور باقی ائمہ صرف نماز پڑھانے کے قابل تھے۔

۴۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان میں عام سوجھ بوجھ کے علاوہ عام معلومات کی بھی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ اس عظیم مظاہرے سے وہ مقصد بھی حاصل نہیں کر سکے کہ جو آسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ مثلاً مجرموں پر مارشل لاء کورٹ میں مقدمہ چلانے کے مطالبہ کے بجائے سمری

ملٹری کورٹ میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ کرکے مظاہرے کے دوران ہی مجرموں کو کوڑے لگوا کر جیل بھجوایا جاسکتا تھا۔ اس کے لئے حکومت تفتیش کے لئے وقت کا عذر نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اسی سمری ملٹری کورٹ نے ایک دن میں کئی سو شیعوں کو مارٹن روڈ کی مسجد میں زبردستی گھس کر نماز پڑھنے کے جرم میں کوڑے لگا کر جیل بھیج دیا تھا۔

۵۔ صرف دو خطیب ایسے ملے کہ جن کی باتوں اور لب و لہجہ سے قربانی کے جذبہ، جوش و خروش، عزاداری سے والہانہ لگاؤ کا گہرا احساس ہوا اور ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کے نزدیک ذاتی انا کا مسئلہ بھی اتنا اہم نہیں ہے کہ قومی وقار اور قومی مفاد کو قربان کر دیا جائے۔ یہ شخصیتیں پروفیسر علی رضا شاہ صاحب اور علامہ عرفان حیدر صاحب عابدی کی ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ علامہ صاحب اپنے وقار کی پرواہ کئے بغیر امام بارگاہ علی رضا کے ایک کونے میں پتھر پر بیٹھے ہیں اور سامنے اسٹیج پر (دھرنے کے دوران) ائمہ مساجد تقریریں کر رہے ہیں جبکہ ان کا مقام بھی وہی اسٹیج تھا اور سنا ہے کہ جب پروفیسر صاحب کمشنر کو لے کر اسٹیج کی طرف آئے اور آکر سلام کیا تو کسی نے ان کے سلام کا جواب دینا پسند نہیں کیا۔

۶۔ جب سنیوں کی جانب سے پرتشدد مظاہرے ہوئے تو علماء ایکشن کمیٹی نے بعض خطیب حضرات کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا تاکہ مشترکہ کوششوں سے قوم کو عزت و وقار کے ساتھ اس بحران سے نکالا جا

سکے۔ اور اس سلسلہ میں مولانا طالب جوہری صاحب اور مولانا عباس کمیلی صاحب سے رابطہ بھی قائم کیا گیا مگر بات نہیں بنی۔

۷۔ علامہ عرفان حیدر عابدی صاحب ۱۴ فروری سنہ ۱۹۸۳ء کو کراچی سے روانہ ہو کر ہندوستان میں قیام پذیر رہے اور واپس ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کو کراچی پہنچے۔ اسطرح سے وہ بحرانی دور کے طویل عرصہ تک ملک سے باہر رہے۔

۸۔ ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کے ہنگامہ کے بعد ہیئت ائمہ مساجد کے تقریباً ۱۲ ائمہ گرفتار کر لئے گئے تو قوم ایک بار پھر صاحبان منبر کی طرف دیکھنے لگی اور یہ حضرات امامیہ کونسل کے تحت وقتی طور سے متحد ہو گئے۔

۹۔ جب ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۸۳ء کو ایک مرتبہ پھر گھر جلنا شروع ہوئے تو چند خطباء اور ائمہ مساجد ایک نئے اتحاد اور نئے ولولے کے ساتھ امام بارگاہ ڈیفنس سوسائٹی میں اکٹھا ہوئے۔ مگر بعض افراد اتنا ظلم سہنے اور اپنی عبادت گاہوں کا تقدس پامال ہونے کے باوجود صرف گفت و شنید پر یقین رکھتے تھے لہذا امامیہ کونسل کا اتحاد بے معنی ہو کر رہ گیا۔

۱۰۔ شیعوں نے ظلم کے جواب میں دو مرتبہ تھوڑا سا طاقت کا مظاہرہ کیا پہلا مظاہرہ لیاقت آباد میں ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کو گولیاں چلا کر کیا اور دوسرا مظاہرہ سخت ترین پہرے کے باوجود مارٹن روڈ کی امام بارگاہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کی خاطر داخل ہو کر کیا اور جو لوگ وہاں داخل نہ ہو سکے وہ محفل خراسان پہنچ کر فوج اور پولیس سے ٹکرا گئے۔ بہت سے

امن پسند (ضرورت سے زیادہ) اور لاعلم شیعوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا۔ مگر ہمارے خیال میں:

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا

۱۱۔ صاحبان محراب و منبر کے اختلاف کی کافی وضاحت ہو چکی اب رہے صاحبان منبر کے خود آپس کے اختلافات تو اس کی وجہ اختلاف رائے کے ساتھ انا کا مسئلہ ہے اور اختلاف رائے اسوقت نقصان دہ ہو جاتا ہے جب ذاتی وقار کا مسئلہ بھی پیدا ہو جائے۔ یہی کچھ اس قومی بحران میں بھی رہا ہے۔

اس باب کے اختتام پر ہم اتنا عرض کرینگے کہ اس جائزہ کا مقصد محض یہ ہے کہ قوم کو اپنے حالات اور مسائل کا زیادہ سے زیادہ علم ہو تاکہ بہتری کی راہیں نکلیں۔ ہمارا مقصد نہ کسی کی توہین کرنا ہے اور نہ ہی کوئی یہ سمجھے کہ اس سے غیروں کی نظر میں ہماری سبکی ہوگی کیونکہ خود احتسابی تو زندہ قوموں کی نشانی ہوتی ہے۔

چھٹا باب

مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے ایک گفتگو

منبر میں ایسا لحن ہے ایسا سرود ہے
جیسے ہمارا نامۂ رندی سیاہ ہو
(مصطفےٰ زیدی)

شیخ الحدیث جناب سلیم اللہ خان صاحب، سوادِ اعظم اہلسنّت پاکستان کے سربراہ ہیں۔ اہم دیوبندی شخصیت ہیں مگر دوسرے فرقے کے لوگ بھی جانتے ہیں۔ شیعہ تو خاص طور سے جاننے لگے ہیں پہلے کم جانتے تھے۔ اب خوب جانتے ہیں۔ حالیہ تحریک نے انھیں اچھی طرح سے پہچنوا دیا ہے۔ یہ شیعہ مخالف تحریک ان ہی کی جماعت نے چلائی تھی بڑا بھرپور انداز تھا۔ چھوٹی چھوٹی ساری شیعہ دشمن جماعتیں اپنا اپنا حق ادا کرنے کے لئے ساتھ ہوگئیں تھیں۔

ہم نے مولانا سلیم اللہ صاحب کی تقریریں سنیں اور خوب سنیں شیعہ دشمنی کے سیلاب میں اہم بھی ہوتے تھے۔ مگر جلسوں کی اور بات ہوتی ہے۔ خطیبوں کو زورِ بیان دکھانا ہوتا ہے۔ ان کے اصل خیالات معلوم نہیں ہو پاتے اور ان جلسوں کی تو بات ہی اور تھی۔ شیعوں

کے خلاف غیظ و غضب کو اچھی طرح سے بھڑکانا تھا۔ لہٰذا ہم نے چاہا کہ مولانا صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہو جائے تو ہم ان کے اصل خیالات سمجھ سکیں ۔ چنانچہ ہم نے ان سے ٹیلیفون پر وقت لیا اور چودہ اگست ۲ بجے دن جامعہ فاروقیہ پہنچ گئے۔ وہیں مولانا کی چھوٹی سی رہائش گاہ بھی ہے۔ مولانا خوش اخلاقی سے ملے۔ ہم نے اپنا مختصر سا تعارف کرایا اور آنے کا مقصد بتایا۔ مولانا بڑی مشکل سے اس خاص گفتگو پر آمادہ ہوئے انہیں ہر طرح سے یقین دلایا گیا کہ آپ سے کوئی بات غلط منسوب نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ گفتگو کا آغاز ہوا۔

ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ کا تعلق دیوبندی مسلک سے ہے، یہ آپ نے اپنی جماعت کا نام سواد اعظم اہلسنت کیسے رکھ لیا۔ جبکہ سوادِ اعظم بڑے گروہ کو کہتے ہیں اور ہمارے یہاں بڑا گروہ بریلوی حضرات کا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اہل حق بڑا گروہ ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ عام اکثریت تو بہر حال بریلوی حضرات کی ہے۔ کہنے لگے کہ نہیں! ہمارے بڑے بڑے مدرسے دیکھ لیجئے۔ ان کے طلباء کی تعداد دیکھ لیجئے اور بریلوی مسلک کے مدرسے دیکھئے اور ان کی تعداد دیکھئے۔ اندازہ ہو جائے گا۔ پھر دیوبندی مدرسوں کے نام لے ڈالے۔ ہم نے کہا کہ کسی مسلک کے نسبتاً بڑے مدرسوں کا وجود اس بات کی دلیل نہیں کہ اس مسلک کے ماننے والے بھی زیادہ ہیں۔ ہاں اس سے ہم اس بات کا اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ آئندہ اس مسلک کے ماننے والوں کی تعداد ضرور بڑھ جائے گی۔ مگر مولانا نے

ہماری بات تسلیم نہیں کی۔ ہم نے دوسرا سوال کیا۔

جناب یہ بتائیے کہ کیا آپ شیعہ فرقہ کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ شیعہ کی وضاحت کیجئے۔ ہم نے کہا کہ برصغیر میں جب شیعہ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد عام طور سے اثنائے عشری یا امامیہ فرقہ سے ہوتی ہے۔ بولے! تو ہم اسے مسلمان نہیں سمجھتے۔ ہم نے پوچھا۔ وجہ؟ کہنے لگے کہ ان کا قرآن الگ ہے۔ ہم نے کہا وہ کیسے؟ جواباً فرمایا کہ شیعہ کا اصل قرآن وہ ہے کہ جو حضرت علی نے مرتب کیا تھا۔ اور جب اسے حضرت ابوبکر نے قبول نہیں کیا تو حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم اسے کبھی نہ دیکھ سکو گے ہم نے کہا شیعہ تو وہی قرآن پڑھتے ہیں کہ جو سب پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے کہ نہیں۔ مقبول احمد والا پڑھتے ہیں۔ ہم نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مقبول احمد کے حواشی کی بات کب ہو رہی ہے۔ بات تو اس اصلی عربی متن کی ہو رہی ہے کہ جسکی تلاوت کی جاتی ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ شیعہ تو اسے مصنوعی قرآن سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ مصنوعی کا لفظ کہاں سے آگیا۔ کہنے لگے۔ اصلی حضرت علی کے پاس رہ گیا تو یہ مصنوعی ہوا۔ ہم نے کہا کہ کیا یہ زیادتی نہیں ہے کہ حضرت علی نے تو اپنے شیعوں سے کہا کہ اسی قرآن پر ایمان رکھو اور یہی ہدایت کے لئے کافی ہے اور پھر خود بھی اسی قرآن کو پڑھا اور اس پہ عمل کیا۔ اور آپ فرما رہے ہیں کہ شیعہ مصنوعی قرآن سمجھ کر پڑھتے ہیں (اس مسئلہ پہ اور بھی گفتگو ہوئی ہم اختصار بیان کی خاطر اسے چھوڑ رہے ہیں)

شیعہ کو مسلمان نہ سمجھنے کی مولانا نے اور بھی وجوہات بتائیں مثلاً شیعہ چند صحابہ کو چھوڑ کر سارے صحابہ کو برا سمجھتے ہیں اور پھر صحابہ کی شان میں قرآنی حوالوں کے ساتھ قصیدے پڑھنے لگے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم ان باتوں کا جواب نہیں دینگے کہ کہیں کوئی بات آپ کو بری نہ لگ جائے اور ہمارے یہاں آنے کا مقصد کوئی مناظرہ کرنا بھی نہیں۔

ایک موقعہ پر فرمایا کہ شیعہ کتب میں عجیب عجیب مہمل باتیں درج ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ بخاری شریف کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کہنے لگے۔ کوئی مثال پیش کیجئے۔ ہم نے حضرت عائشہ کے غسل کر کے دکھانے والی روایت اور رسول اللہ اور بی بی عائشہ کے درمیان دوڑ کے مقابلے والی روایت کا حوالہ دیا تو تھوڑا توقف فرمایا پھر مسکرائے اور فرمانے لگے کہ اسمیں اعتراض کی کیا بات ہے۔ پھر اس سلسلہ میں دلچسپ توضیحات پیش کیں۔ ہم طوالت سے بچنے کے لئے صرف ایک پیش کئے دیتے ہیں۔ دوڑ والی روایت کے سلسلہ میں کہنے لگے کہ جنگوں کا زمانہ تھا، ان باتوں کی ضرورت تھی۔ ہم نے عرض کیا کہ جنگ میں بھاگنے کی ضرورت تو ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ کہنے لگے کہ۔ نہیں! ہوتی ہے۔

ہم نے پوچھا کہ یزید کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔ فرمانے لگے۔ نہ اچھا کہتے ہیں نہ برا۔ ہم نے کہا کہ بلیغ الدین تو یزید کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ کہنے لگے۔ ہم نے نہیں سنا۔ ہم نے عرض کیا کہ اسکے

جلسوں میں تو آپ بھی جاتے ہیں۔ کہنے لگے۔ پہلے جاتا تھا۔ اب نہیں جاتا اور جب جاتا تھا تو ان کی تقریر سے پہلے ہی چلا آتا تھا کیونکہ ان کی تقریر دیر سے ہوتی تھی۔ ہم نے پوچھا کہ نیر کے بارے میں اسکے نظریات سے واقف ہیں؟ کہنے لگے۔ تھوڑے عرصہ سے واقف ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ آپنے بلیغ الدین کے جلسوں میں جانا کیوں چھوڑ دیا۔ فرمانے لگے کہ بخاری شریف کے بارے میں اس کے خیالات صحیح نہیں ہیں۔ (ہم خوش ہو رہے تھے کہ شاید یزید کی تعریف کی وجہ سے جانا چھوڑا)

ہم نے پوچھا کہ آپ ایران کے مقابلہ میں عراق کے حامی کیوں ہیں؟ عراق میں تو بعث پارٹی کی حکومت ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ ایک مذہب دشمن سوشلسٹ جماعت ہے۔ جبکہ ایران میں مذہبی حکومت ہے چاہے وہ کسی بھی فرقہ کی سہی۔ کہنے لگے کہ ایران اسلامی حکومت کا دعویدار ہے۔ جبکہ وہاں کی حکومت اسلامی نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ کی نظر میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ آپ شیعہ کو مسلمان ہی کب سمجھتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ جی ہاں! ٹھیک ہے۔ ہم نے کہا پھر سوشلسٹ حکومت کی حمایت کا کیا جواز ہے؟ کہنے لگے کہ ہم اسکی بھی حمایت نہیں کرتے۔ ہم نے پوچھا کہ پھر عراقی سفیر سے ربط و ضبط کیسا؟۔ بولے وہ اپنی ذات سے ایک اچھا مسلمان ہے۔

ہم نے دریافت کیا کہ شیعہ مساجد جلانا کیسا فعل ہے؟ فرمایا بہت برا۔ اور گھر بھی نہیں جلنا چاہئیے تھے۔ ہم نے کہا کہ آپ نے مذمت

کیوں نہیں کی؟ کہنے لگے کہ ہم تشدد کے حامی نہیں ہیں۔ ہم نے نہیں چاہا تھا کہ کسی کے گھر جلیں اور ہم نے اسکی مذمت بھی کی تھی۔ اسوقت افراتفری کا عالم تھا۔ شاید اخبار میں نہ چھپی ہو۔ ہم نے گذارش کی کہ ہم صرف مسجد کی بات کر رہے ہیں۔ اگر کسی غیر مسلم ملک میں کوئی مسجد جلا دی جائے تو بڑے بڑے مذمتی بیانات شائع ہوتے ہیں۔ لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ اور خود آپ کے اپنے ملک میں مسجدیں جلائی جاتی ہیں اگر آپ شیعہ مسجد کو مسجد نہیں سمجھتے تو ایک غیر مسلم کی عبادت گاہ سمجھ لیتے اور مذمت کرتے (واضح رہے کہ اتنی گفتگو کے باوجود مولانا مسجد سوزی کے خلاف بیان نہ دینے کا واضح اور صاف جواب نہ دے سکے)

ہم ناظرین کو یہ بات یاد دلاتے چلیں کہ سوا ایک آدھ مختصر سے مذمتی بیان کے کسی بھی مسلک کے مولوی کا کوئی مختصر سا بیان بھی اخبار میں نہیں آیا۔

مسجد کی باتیں ختم ہوئیں تو ہم نے مولانا سلیم اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو شیعہ جلوسوں سے کیا پریشانی ہے کہنے لگے۔ ایڈمنسٹریشن کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، جھگڑا فساد ہوتا ہے۔ ہم نے کہا کہ ایڈمنسٹریشن چاہے تو نہ ہو۔ فرمانے لگے۔ تبرّے بازی ہوتی ہے۔ ہم نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ کم از کم کراچی کی حد تک۔ کہنے لگے۔ ہمارے محلہ کا جلوس بہت پریشان کرتا ہے۔ اپنی منزل کی طرف سیدھا جا سکتا ہے مگر نہیں جاتا۔ ہمارے مدرسہ کی طرف گھوم کے آتا ہے۔ اس جلوس

گو امام باڑے سے مدرسہ تک آنے میں تو صرف دس منٹ لگتے ہیں مگر
یہ مدرسہ کے سامنے پینتالیس منٹ ٹھہرتا ہے اسلئے چلتا ہے تو اتنی تیز رفتاری
سے کہ پانچ منٹ میں اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جتنی دیر جلوس ٹھہرتا ہے
خنجر لہراتے رہتے ہیں۔ تبرا بازی ہوتی رہتی ہے۔ ہم نے کہا کہ فرض کرکے مدرسہ
پر آنا اور اتنی دیر کھڑے رہنا مناسب نہیں۔ مگر تبرا بازی کی ہم تردید کرتے
ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یزیدیت مردہ باد کا نعرہ تبرا ہے تو یہ تو ہوتا ہے۔
اگر اس کے علاوہ کوئی توہین آمیز نعرہ لگتا ہو یا تبرا کی کوئی اور شکل ہو تو مثال
دیجئے۔ کہنے لگے نوحے اور مرثیوں میں تبرا ہوتی ہے۔ ہم نے پھر مثال چاہی
تو مولانا نے ایک مصرعہ پڑھا جسکا مفہوم کچھ یوں تھا کہ جو کام انبیاء سے نہ ہوسکا
وہ حسین کر گئے۔ پھر فرمایا کہ مرثیوں اور نوحوں میں حضرت علی اور حضرت
حسین کی شان رسول اللہ سے بھی بڑھا دی جاتی ہے اور یہی شیعہ عقیدہ
ہے۔ ہم نے کہا کہ علیؑ اور حسینؑ جو کچھ ہیں، رسول اللہ کے طفیل ہیں۔ یہ تو غیر
منطقی بات ہے کہ نبی کے وصی کو نبی سے بڑھا دیا جائے۔ فرمانے لگے کہ شیعہ کے
ہاں تو ہر بات غیر منطقی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ آپ زیادتی فرما رہے ہیں
اور یہ بھی زیادتی ہے کہ شاعرانہ تعلّی کو کسی فرقہ کے عقائد سمجھ لیا جائے۔ نعت
رسول میں جو کچھ شعر کی زبان میں کہا جاتا ہے کیا بالکل وہی عقائد سنی فرقہ کے
ہو سکتے ہیں ——— پھر ہم نے اس مصرعہ کی وضاحت کرتے ہوئے عرض
کیا کہ اس مصرعہ میں نبی آخر الزماں کو چھوڑ کر بات کی گئی ہے کیونکہ شیعہ کے ائمہ
معصومین آنحضرتؐ کے وصی و جانشین ہیں۔ یہ حضرات آنحضرتؐ سے کیسے بڑھ

معصوم ہیں۔ البتہ شیعہ عقیدے کے مطابق دوسرے انبیاء کا درجہ ائمہ معصومین سے زیادہ نہیں ہے۔ (ہم نے دل میں سوچا کہ آج اندازہ ہوا کہ شیعہ عقائد اس طرح سے بھی مسخ کر کے پیش کئے جاتے ہیں)

اب مولانا سلیم اللہ صاحب نے علامہ عرفان حیدر عابدی صاحب کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے۔ بڑے جوش و خروش سے صحابہ کرام اور بی بی عائشہ کی توہین کرتے ہیں اور ہمیں یہ باتیں اپنے کانوں سے سننا پڑتی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کا رخ ہمارے مدرسہ کی طرف ہوتا ہے اور پھر مولانا نے واقعہ معراج کے سلسلہ میں بی بی عائشہ کی ایک روایت کے حوالے کے ساتھ علامہ صاحب کا ایک خاص فقرہ دوہرایا جس پر ہم نے افسوس کا اظہار کیا۔

آخر میں ہم نے مولانا سلیم اللہ خان سے دریافت کیا کہ کیا آپ شیعوں کے تمام جلوس بند کروانا چاہتے ہیں۔ فرمانے لگے۔ جی ہاں۔ ہم نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ کہنے لگے کہ اگر حکومت چاہے۔ ہم نے عرض کی کہ حکومت تو نہیں چاہے گی۔ ۲۱ رمضان کا جلوس تو آپ نے دیکھ لیا۔ کہنے لگے ہماری کوششوں سے اتنا تو ہوا کہ چھوٹے چھوٹے جلوس تو نہیں نکل سکے۔ ہم نے کہا ایسا نہیں ہے سوا لیاقت آباد کے اور گلبہار کے ہر جگہ سے نکلے، اور ان علاقوں سے بھی کوشش کی گئی۔ مگر پھر وقتی طور سے ایڈمنسٹریشن کی بات مان لی گئی۔ امید ہے کہ آنے والے محرم میں یہاں سے بھی جلوس نکلیں گے۔ پھر ہم نے پوچھا کہ شہادت علیؑ کے جلوس رکوانے کے لئے تو آپ نے جگہ جگہ پوسٹر لگوائے تھے۔ محرم کے جلوس رکوانے کے لئے آپ کیا ارادے رکھتے ہیں۔ فرمانے لگے

کہ ہر دالونی طریقہ اختیار کریں گے۔ ہم نے سوچا کہ یہ شعر پڑھ دیں مگر کچھ مروّت آ گئی۔ نہ پڑھ سکے۔

جتنا شعارِ محتسب دشوارتر ہوتا گیا
اتنا ہی ذکرِ خونِ ناحق مشتہر ہوتا گیا

مصطفیٰ زیدی

سبیل سکینہؑ
[illegible] نمبر ۸

ساتواں باب

تنبیہ

سر پھرا دے انساں کا ایسا خبط مذہب کیا
سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا

یاس یگانہ چنگیزی

ہم سنیوں سے اور خاص طور سے سواد اعظم (نام نہاد) اہلسنت سے کہیں گے کہ وہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لیں شیعوں کو یہودی اور کافر کہنے کے بجائے انکا احترام کرنا سیکھیں تاکہ اخوت کی فضا تیار ہو سکے جو کہ پر امن معاشرہ اور پاکستان کے وجود کے لئے لازمی شرط ہے۔ اگر آپ نے طاقت کا مظاہرہ کر کے شیعوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی اور آپ اس کوشش میں (وقتی طور سے) کامیاب بھی ہو گئے (معاذ اللہ یہ مشکل کام ہے) تو خوش نہ ہوں۔ اس لئے کہ شیعوں کی وقتی خاموشی، ان کے بولنے سے زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی دھمکی نہیں ہے۔ تاریخی حقیقت ہے۔

آپ پاکستان میں سنی اسٹیٹ کی بات کیوں کرتے ہیں؟ اس کے لئے کیا دلیل رکھتے ہیں؟ ہاں! آپکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے

سوا، ایران ایران کی رٹ لگانے کے ۔ کیا آپکو نہیں معلوم کہ ایران
ایک قدیم شیعہ ریاست ہے ۔ اور پاکستان مختلف فرقوں کی جدو
جہد سے وجود میں آنے والی ایک نئی ریاست ہے ۔ اس کے قیام کی
جدوجہد میں شیعہ، باوجود اقلیت میں ہونے کے نمایاں نظر آتے ہیں ۔
ان کا ذہن، ان کی توانائیاں، ان کا پیسہ، سب ہی کچھ پاکستان کی جدو
جہد میں کھپ گیا ۔ ان کے کسی عالم دین نے اگر قیام پاکستان کی مخالفت
کی ہو تو بتائیے یا یہ کہ کوئی شیعہ عالم دین کانگریس میں رہا ہو تو نام لیجیے
مگر ہم نام لے کر بتا سکتے ہیں کہ آپ کا کٹر سے کٹر عالم، کانگریس
کا حمایت گذار رہا ہے ۔ تحریک پاکستان کی مخالفت کی ہے ۔ یہ چودہ
سو سال پہلے کی باتیں نہیں ہیں کہ آپ انہیں مسخ کر سکیں ۔ ابھی تو وہ
لوگ بھی زندہ ہیں کہ جو ان باتوں کی گواہی دے سکتے ہیں ۔ آپ تاریخ
کے ورق الٹیے اور دیکھیے ۔ امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری
کیا فرماتے ہیں ؟ ۔

Amir Shariat Attullah Shah Bukhari (Milap of 27 th of December 1945) announced in his speech at Alipore that the leader of Muslim League were "be-iman" (irreligious people) who were not aware of their aqbat (life after

death) but were also spoiling aqbat of others and that the state which they were attempting to create was not Pakistan but "Khakistan" And in a speech of Pasrur he said that "no mother had yet given birth to a child who could even make the P. of Pakistan" (From Jinah to Zia P.52)

تحریک پاکستان میں جماعت اسلامی کے کردار سے سب واقف ہیں ۔ یہ جماعت قائداعظم اور پاکستان کے لئے کیسے کیسے فقرے استعمال کرتی رہی ہے ۔

"The second party was Jamaat-e Islami who had discribed Pakistan as Na-Pakistan and the Governoment established by the Quid-e-Azam as Kafirana Government."

(From Jinnah to Zia P.136)

مفتی محمود کا یہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ پاکستان بنانے کے گناہ میں وہ شریک نہیں تھے ۔

The Mufti originally belong to Jamiatul-Ulma-e-Hind who were supporting congress over the Pakistan issue. And it is alleged by Shah Ahmed Noorani that in the meeting of the U.D.F in 1974. Mufti Mehmood had declared in the presence of Maulana Sattar Khan Niazi, Pir Pagara and Malik Muhammed Qasim that he was not associated with the sin of creating Pakistan.

(From Jinnah to Zia)
P. 137

اور خاکسار تحریک کی مخالفت تو اس حد تک بڑھی کہ اس کے ایک رکن نے قائداعظم پر قاتلانہ کیا، مگر آپ بال بال بچ گئے۔ اب آپ بتائیے کہ یہ جماعتیں مسلمانوں کے کس مکتب فکر سے تعلق رکھتی تھیں؟ کتنی عجیب بات ہے کہ قیام پاکستان کی مخالفت کرنے والے پاکستان کی سیاست پر چھا جانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور ایسے فرقہ کو غیر مسلم قرار دلوانے کی فکر میں ہیں کہ جس نے قیام

پاکستان کی تحریک میں تن، من، دھن سے حصّہ لیا۔ شاید یہ آپ کو یہ نہیں معلوم کہ قیام پاکستان میں شیعہ دماغ کے علاوہ شیعہ پیسہ نے کتنا کام کیا ہے۔ کچھ نام ہم پیش کرتے ہیں۔ تفصیلات آپ معلوم کر لیجئے۔

راجہ امیر محمد خان آف محمود آباد۔ راجہ محمد مہدی آف پیرپور نواب نوازش علی قزلباش۔ نواب اسمعیل آف پٹنہ۔ حسن علی پی۔ ابراہیم۔ حبیب فیملی کے مورث اعلیٰ حبیب کسارا۔ ایم۔ ایم۔ اصفہانی۔ راجہ غضنفر علی خان۔ سر علی امام۔ حسن امام۔ مولانا شبیہ الحسنین محمدی۔ مولانا بشیر انصاری۔ مولانا نجم الحسن کراروی۔

پاکستان میں سنّی اسٹیٹ کی بات تو خام خیالی ہے۔ یہاں خالص مذہبی ریاست کا قیام بھی ناممکن نظر آتا ہے اور خود بانیٔ پاکستان نے بھی یہ کبھی نہیں سوچا تھا اور نہ وہ یہ سوچ سکتے تھے۔ آپ نے نئی دہلی میں ۱۹۴۶ء میں رائٹر کے نمائندہ مسٹر ڈون کیمپ بیل (Mr. Doon Campbell) کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا۔

"The new state would be a modern democratic state with sovereignty resting in the people and the members of the new nation.

having equal rights of citizenship regar-dles of theirs religion caste or creed."

(From Jinah to Zia P.29)

قائد اعظم اپنے بیانات اور تقریروں میں صاف طور سے یہ بات ظاہر کرتے رہتے تھے کہ پاکستان ایک جدید جمہوری ملک ہوگا جس میں مذہب کا ریاستی انتظامیہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ افراد کا ذاتی معاملہ ہوگا۔

اگر آپ پھر بھی پاکستان کو ایک خالص مذہبی ریاست بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو جسٹس منیر کے یہ ریمارکس یاد رکھنے کی کوشش کیجئے گا۔

The Shias cannot be ignored in enforcing Nizam-e-Mustafa as they are educated and powerful section of the community having different views on Ushr and Zakat and penel laws. They number about two crores.

(From Jinnah to Zia by Mohd Munir chief justice of Pakistan P-139)

آٹھواں باب

گذارشات

چہرۂ امید کو رخشندگی دے یا حسینؑ
زندگی دے زندگی دے زندگی دے یا حسینؑ

جوش ملیح آبادی

سُنی بریلوی حضرات کی خدمت میں:

(۱) شیعہ کو اپنا مسلمان بھائی سمجھئے۔ جبکہ شیعہ ہمیشہ آپ ہی کے لئے "شیعہ سُنی بھائی بھائی" کے نعرے لگاتے ہیں۔

(۲) ہم نے وہ تمام باتیں پیش کردی ہیں کہ جن کو بنیاد بنا کر شیعہ فرقہ کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور پھر ان تمام باتوں کی اچھی طرح سے وضاحت بھی کردی ہے تاکہ سچائی کے متلاشی اور امن کے خواہاں جان لیں کہ اصل صورت حال کیا ہے۔ اور سمجھ لیں کہ شیعہ فرقہ کے ساتھ بھائی چارہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے ـــــ لہٰذا آپ اس کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور شیعہ و سُنی کے مشترکہ دشمن کے بھڑکائے میں نہ آئیں

(۳) اور یہ مشترکہ دشمن وہی ہے کہ جو یزید بن معاویہ کی تعریف کرتا ہے یا تعریف پر خاموش رہتا ہے۔ اور ان کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ اہلبیت

کی توہین کرتا ہے۔ صوفیائے کرام کا مذاق اڑاتا ہے، نبی کو اپنا جیسا بشر سمجھتا ہے۔ درود و سلام کا منکر ہے۔ نذر و نیاز کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسلام میں ملوکیت کو داخل کرتا ہے (معاویہ، یزید اور مروان بن حکم کو خلیفہ راشد ماننے والا گروہ) کسی میں چاہے یہ ساری صفتیں ہوں یا ایک صفت ہو۔ سمجھ لیجئے کہ وہ شیعہ و سنی کا مشترکہ دشمن ہے۔

④ اس مشترکہ دشمن کی ان مکروہ سرگرمیوں کو روکنے کی سنجیدگی سے کوشش کیجئے کہ جنکا ذکر ہم اس کتاب میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ آپ یقین رکھئے کہ اگر ان کی زبانیں اور قلم رک گئے تو شیعہ فرقہ کی زبان بھی بے قابو نہیں ہوگی۔

⑤ یاد رکھئے کہ یہ گروہ نواصب شیعہ سے زیادہ آپ کے لئے نقصان دہ ہے۔ یزید کی تعریف میں لکھی گئی کتاب اور تقریر کے دوران کی گئی ہرزہ سرائی سے شیعہ عقیدہ اور پختہ ہو جاتا ہے مگر سنی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اگر آپ سنی مسلمانوں کو یزیدیت اور ملوکیت کا حامی ہونا پسند فرمائیں تو ٹھیک ہے خاموش رہیئے۔

شیعہ حضرات کی خدمت میں:۔

ع بڑھتی ہوئی جوان امنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو حسینؑ کے دامن کو تھام لو ـــــ جوش ملیح آبادی

① اپنی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کو اپنے ایمان کا جزو بنا لیجئے۔

(۲)۔ یہ طے کر لیجئے کہ جینا ہے تو عزت و وقار سے جینا ہے۔ یعنی قوم کی عزت۔ قوم کا وقار۔

(۳)۔ ذاتی نام و نمود کے جذبہ پر قومی وقار اور قومی مفادات کو ترجیح دیجئے۔

(۴)۔ تمام رسوم عزاداری کو اپنے سینے سے لگائے رکھئے کہ آپ کی تمام توانائیاں اسی سے وابستہ ہیں۔ ان باتوں کو نہ سنیئے کہ ایران میں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر ملک کی ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے۔ یہ ہماری ضرورت ہے۔ اور میر تقی میر کے یہ شعر خاص طور سے پڑھتے رہا کیجئے۔

دب کے ہرگز نہ رکھ زبان کو بند
ہے یہ شیوہ خدا رسول پسند
پست کرنے کو مدعی کے بلند
یا علی، یا علی کہا کر تو

(۵)۔ صبر کے موقعہ پر صبر کیجئے اور اپنے بزرگوں کے صبر کو یاد کیجئے۔ پھر جب صبر کا موقعہ نہ رہے تو بھی کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ شجاعت کے اعلیٰ ترین معیار کو سامنے رکھئے کہ جو آپکے بزرگوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

(۶)۔ اپنی مجالس اور جلوسوں میں صبر و سکون کا مجسمہ بن جائیے۔ اگر پتھر آئیں تو کھا لیجئے۔ اسے بھی ماتم کا ایک حصہ سمجھ لیجئے۔ آپ اپنے ہاتھوں اپنا خون بہا کر بارگاہ حسینی میں نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ تھوڑا سا خون دوسروں کے ہاتھوں سے بھی بہہ جانے دیجئے کہ اسی میں فلاح ہے۔

۷- اور اسے اپنی بزدلی یا اپنی توہین نہ سمجھیے کیونکہ جسکی مجلس اور جسکا جلوس ہوتا ہے۔ وہ پیکر صبر و رضا تھا۔

۸- یاد رکھیئے کہ جھگڑے فساد سے مجلس اور جلوس کا تقدس مجروح ہوتا ہے اور کیا آپ اپنی ذرا سی بے صبری سے یہ صورت حال گوارا کر ینگے کہ حکومت کو آپکے جلوسوں پر پابندی لگانے کا جواز ہاتھ آجائے۔

۹- باشعور اور تعلیم یافتہ قوم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کونسا موقعہ صبر کا ہے اور کہاں داد شجاعت دینا چاہیئے۔

۱۰- خود اپنا محاسبہ کیجئے کہ کہیں آپکی کسی رسم عزا سے کسی کو بیجا تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے۔ کیونکہ مظلوم کا غم اسطرح نہیں منایا جاتا کہ کسی پر ظلم ہو۔

۱۱- مجالس میں لاؤڈ اسپیکر کا بلاضرورت اور بیجا استعمال۔ وہ بھی بارہ دو گھنٹہ تک یقیناً قابل غور ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز اتنی ہونا چاہیئے کہ ذاکر کی آواز صرف شرکاء مجلس آسانی سے سن سکیں۔

۱۲- شب بیداری میں رات بھر لاؤڈ اسپیکر کا بھرپور استعمال یقیناً ظلم ہے۔

۱۳- خود احتسابی کامل شرافت کی علامت ہے۔ محض ضد میں اپنی غلط بات پر قائم رہنا جہالت کی نشانی ہے۔

ہم اہلسنت حضرات سے بھی اپیل کرینگے کہ وہ اس سلسلہ میں دھمکی آمیز مطالبات سے گریز کریں تاکہ شیعہ نوجوانوں میں ضد کا جذبہ

پیدا نہ ہو۔ یہ شیعوں کا کام ہے کہ وہ اپنے معاملات کا خود جائزہ لیں۔
اب ہم اپنی کتاب کو حضرت جوشؔ کے ان اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

س

اے زندگی جلال شہ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسین دے

علی اکبر شاہ کی دوسری۔

۱۔ سیاست راشدہ۔
۲۔ احتساب۔

شہداء انچولی

سلسلۂ فسادات کے پہلے تین شہید

۱۔ سیّد محمد احسن رضوی ۲۔ سیّد امتیاز محسن ۳۔ سیّد ساجد حسین

سیّد محمد احسن رضوی

سیّد محمد احسن رضوی ولد سیّد رحمت حسین رضوی ڈیوٹی پر جانے کے لئے تقریباً پونے چار بجے اوپر کی منزل سے نیچے اترے۔ ابھی ایک لڑکے سے بات ہی شروع کی تھی کہ ایک گولی سینے میں آکر لگی۔ فوری طور پر ہسپتال لے جائے گئے مگر جانبر نہ ہوسکے۔

مرحوم کے۔ای۔ایس۔سی میں انجینئر تھے۔ عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے چار کمسن بچے اور ایک بیوہ چھوڑی۔ سب سے بڑی بچی کی عمر ۱۱ سال ہے۔ ان کے علاوہ ایک بوڑھا باپ اپنے اکلوتے بیٹے سے محروم ہوگیا۔ یہی ان کا واحد سہارا تھا۔
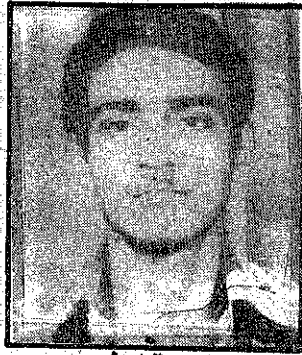
سید امتیاز محسن

سید امتیاز محسن ولد سید محمد افتخار موسوی۔ تھوڑی دیر پہلے کسی کام سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ مسجد خیر العمل کے سامنے فساد ہو رہا ہے۔ ماں سے اجازت لی اور وہاں پہنچ گئے۔ جوانی کا جوش اور مذہبی جذبہ آگے بڑھاتا رہا۔ کہ تقریباً چار بجے شام اچانک دو گولیاں لگیں۔ ایک سینہ پر دوسری بازو پر۔ اور یہ نوجوان سینہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے جلد ہی عباس شہید ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جیسے ہی بوڑھا باپ (تقریباً ۵½ بجے شام) زخمی بیٹے کے پاس پہنچا بیٹے نے آخری ہچکی لی اور گردن ڈال دی۔

یہ ۲۹ سالہ ہونہار نوجوان ایم۔ ایس سی تھا۔ دو ماہ قبل نتیجہ آیا تھا۔ امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا رکن تھا۔ ۴ فروری ۱۹۸۳ء کو سب سے آگے کفن پہن کر بیٹھنے والوں میں سے تھا ابھی چند دن اور جینا تھا لہٰذا یہ کفن تو اتر گیا۔ مگر چند دن بعد یہی نوجوان کفن پہن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔
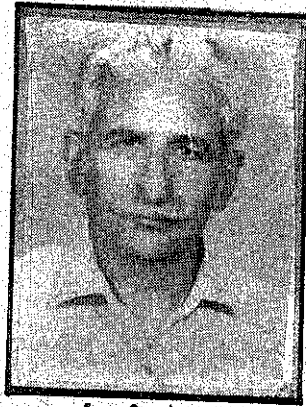
سیّد ساجد حسین

سیّد ساجد حسین ولد سرفراز حسین، ۶۰ سال کی بزرگ شخصیت تھے مگر حوصلے جوان تھے۔ جیسے ہی سنا کہ مخالفین نے حملہ کر دیا ہے۔ باہر نکل گئے۔ مسجد خیر العمل کے سامنے پہنچ کر اپنے نوجوانوں کو سنبھالنے میں مصروف تھے کہ ایک گولی آکر پیشانی پر لگی۔ عباسی شہید ہسپتال لے جاتے جا رہے تھے کہ راستے ہی میں دم توڑ دیا۔ چھوٹے صاحبزادے سیّد حسن ساجد وقت شہادت ساتھ تھے۔

(مرحوم سنبھل (ہندوستان) کے رہنے والے تھے۔ کے۔ ای۔ ایس۔ سی میں ملازمت کرتے تھے۔ آپ نے پسماندگان دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔

تینوں شہداء چار اور ساڑھے چار بجے شام کے دوران بتاریخ ۲۲ فروری ۱۹۸۳ء کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے زخمی ہوئے۔

تباہی کے اعداد و شمار

نمبر شمار	محلہ	تعداد شہداء	کیفیت
۱	انچولی فیڈرل بی ایریا	۳	مخالفین کی گولی سے
۲	لالوکھیت	۳	مخالفین کی گولی، کلہاڑی، چھری اور آنسو گیس کے شیل سے،
۳	گولیمار	۱	چھری گھونپی گئی
	کل	۷	

مسجدیں۔

نمبر شمار	نام	محل وقوع	بے حرمتی کی نوعیت
۱	جامع مسجد سکینہ	سیکٹر ۱۱۔جی گودھرا نیو کراچی	نذر آتش کی گئی۔ اس سے فسادات کا آغاز ہوا۔
۲	مسجد ولی العصر	نارتھ کراچی	پتھراؤ کیا گیا۔ تبرکات کی بے حرمتی کی گئی۔
۳	مسجد مصطفیٰ	۱۱۔بی نارتھ کراچی	نوعیت معلوم نہیں ہو سکی
۴	مسجد صادقیہ	لالوکھیت نمبر ۱، عقب ڈاکخانہ	نذر آتش
۵	مسجد اثنا عشری	لالوکھیت بس اسٹاپ نمبر ۲۔ مین روڈ	نذر آتش

مسجد و امام بارگاہ:

نمبر شمار	نام	محل وقوع	بے حرمتی کی نوعیت
۱۔	امام بارگاہ کاظمین	۱۱۔جی نیوکراچی گودھرا	نذر آتش
۲۔	بوتراب امام بارگاہ	۵۔ڈی نیوکراچی	نوعیت کی تصدیق نہیں ہوسکی۔
۳۔	مرکزی امام بارگاہ	لالوکھیت نمبر ۱۰	نذر آتش
۴۔	مسجد و امام بارگاہ ہاشمیہ	لالوکھیت نمبر ۴	" "
۵۔	قبہ زینبیہ (برائے خواتین)	" "	" "
۶۔	امام بارگاہ منتصوبین	" "	" "
۷۔	محفل علی	لالوکھیت	نوعیت کی تصدیق نہیں ہوسکی
۸۔	امام بارگاہ زہرہ	"	" " " "
۹۔	مسجد و امام بارگاہ قاسم آباد	قاسم آباد لالوکھیت	نذر آتش
۱۰۔	امام بارگاہ پیر کالونی	ایک مکان میں واقع زنانہ امام باڑہ	" "
۱۱۔	مسجد و امام بارگاہ عابدیہ	فرئیر روڈ	تبرکات جلا دیئے۔ عمارت کو مسجد اہلحدیث میں شامل کر لیا گیا۔
۱۲۔	امام بارگاہ پنجتنی	بہار کالونی	نوعیت کی تصدیق نہیں ہوسکی
۱۳۔	امام بارگاہ شیر شاہ	شیر شاہ	" " " "
۱۴۔	امام بارگاہ۔ سراج	صرافہ بازار	" " " "
۱۵۔	امام بارگاہ علی رضا	ایم اے جناح روڈ	" " " "

مکانات اور دوکانیں

نمبر شمار	محلہ	تعداد مکانات	تعداد دوکانات	کیفیت
۱	سیکٹر ۱۱-جی گودھرا نیوکراچی	۲۱ دعاوی کے مطابق	×	جلائے گئے یا توڑ پھوڑ کی گئی۔ سامان لوٹ لیا گیا یا مکان کے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔
۲	لالوکھیت	۱۸۸ دعاوی کے مطابق	۳۴ دعاوی کے مطابق	دوکانیں نذر آتش کردی گئیں۔ مکانات یا تو جلا دیئے گئے یا توڑ پھوڑ کی گئی اور سامان لوٹ لیا یا باہر نکال کر جلا دیا گیا۔
۳	گولیمار	۱	۱	نذر آتش
		۲۱۰	۳۵	

نوٹ: نیوکراچی اور لالوکھیت کے مکانات اور دوکانات کی تعداد مالکان کے تحقیق شدہ دعاوی کے مطابق ہے۔ اس بات کا پورا پورا امکان ہے کہ چند مالکان نے دعوے نہ داخل کئے ہوں اور اس طرح ان علاقوں کی تباہ شدہ املاک میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار کے حصول میں جناب سید محمد آغا ایڈووکیٹ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔